

295

تہ مخ

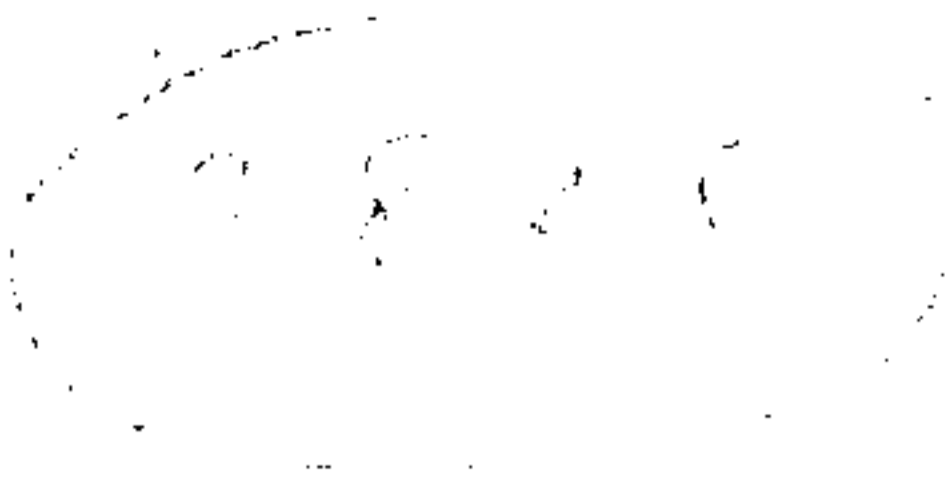
3825

ریاست

مؤلفہ
اللہ بخش یوسفی

3825

ناشران محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی



تاریخ

ریاست سوات

« مولف »

اللہ بخشہ یوسف

مصنف سلسلہ تاریخ آزاد پٹھان

(ناشران)

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی

اقبال کالونی کراچی رہ

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جوہر پبلکیشنز نمبر ————— پہلا ایڈیشن

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

87074

جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

شوکت علی یوسفی نے عباسی لٹھو آرٹ پریس فریئر روڈ کراچی
سے چھپوا کر دفتر محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی اقبال کالونی
تین ہٹی کراچی نمبر ۵ سے شائع کی۔

87074

ایجنسی



عظیم پبلشنگ ہاؤس
۲۷ اینو مارکیٹ کابل گیٹ
پشاور شہر



مغنون

بنام

ميجر جنرل محمد الحق تہا نزیب خان

والہ ریاست سوات
پاکستان



میجر جنرل عبدالکرم جہاں زویب خان

وائی ریاست سوات

مندرجات

مندرجات

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۱	ریاست سوات	
۲۲	نامم	۱
۲۴	سکندر اعظم کی یلغار	۲
۲۴	سکندر اعظم سے قبل	۳
۲۶	سکندر اعظم کی یلغار	۴
۲۸	سکندر اعظم باجوڑ میں۔	۵
۲۹	اساکینوں سے پہلی جنگ۔	۶
۳۲	ساگا	۷
۳۳	ریاست اودرا نورہ اور بازیرہ۔	۸
۳۵	اساکینوں سے دوسری جنگ۔	۹
۳۸	عہد اشوک۔	۱۰
۳۴	بدھ مت کا عروج و زوال	۱۱
۳۶	بدھ مت کا ظہور	۱۲
۳۷		۱۳
۳۷	یوسف زئیوں کی ہجرت۔	۱۴
۳۷	بدھ مت کے آثار قدیمہ۔	۱۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۵	ہندو نشاہیہ۔	۱۶
۲۶	عہد اسلامی کا ابتدائی دور	۱۷
۲۶	ابتدائی مسلم حملہ آور	۱۸
۲۶	یوسف زئیوں کی آمد	۱۹
۲۹	علاقہ سوات عہد مغلیہ میں	۲۰
۲۹	بابر کا اقدام	۲۱
۵۱	جنگ باجوڑ	۲۲
۵۲	میدانی علاقہ میں آمد	۲۳
۵۳	بی بی مبارکہ سے شادی۔	۲۴
۵۵	تحریک روشنائی	۲۵
۵۵	درانی سکھ اور انگریز۔	۲۶
۶۰	ملاستان کا ظہور	۲۷
۶۳	انگریز لشکر کا اقدام	۲۸
۶۳	بالائی سوات پر حملہ	۲۹
۶۷	سوات کا دور جدید	۳۰
۶۹	سوات کا دور جدید	۳۱
۶۹	حضرت اخوند صاحب	۳۱
۷۱	سوات کی پہلی حکومت	۳۲
۷۲	میدان شاہ کے بعد	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۹۵	تحریک پاکستان	۴۶	شجرہ اولاد اخوند	۳۳
۹۴	محاذ کشمیر	۴۷	حضرت اخوند کے بعد	۳۴
۹۷	حکومت سے دستبرداری	۴۸	میاں گل عیدالودودی کی ابتدا	۳۵
۱۰۰	عہدہ جہانزیب خان	۴۹	سوات پر نواب دیر کا حملہ	۳۶
۱۰۱	حدود اربعہ آبادی پیدا	۵۰	سید عبد الجبار شاہ کی حکومت	۳۷
۱۰۱	راستے	۵۱	سوات کو دور جدید کا آغاز	۳۸
۱۰۲	تعلیم و صحت ڈاک تار بجلی	۵۲	ایک شکل ترین دور	۳۹
۱۰۳	خنگلات	۵۳	انگریزوں کی مداخلت	۴۰
۱۰۵	صنعت نظام	۵۴	بونیر پر قبضہ	۴۱
۱۰۵	پولیس فوج	۵۵	بحرین وغیرہ پر قبضہ	۴۲
۱۰۶	باشندوں کی حالت	۵۶	انگریزوں سے تعلقات	۴۳
۱۰۷	والے سوات	۵۷	علاقہ کوہستان پر قبضہ	۴۴
۱۰۷	ولیعہد وغیرہ	۵۸	وادی کا لام	۴۵

کتاب کی تصاویر

صفحہ	تصاویر	نمبر شمار
۵	میجر جنرل عبدالحق جہاں زیب خان والیے ریاست سوات	۱
۱۵	اللہ بخش یوسفی (مؤلف کتاب)	۲
۲۱	یونان کے فاتح سکندر اعظم	۳
۲۲	بدھ مت کے بانی۔ گوتم بدھ	۴
۲۹	سجد پیر بابا کا ایک منظر لوئیر	۵
۳۹	مقبرہ حضرت انوند درویشہ (پشاور)	۶
۴۰	علاقہ کوہستان کے باشندے	۷
۴۰	دریائے سوات پر قبائلی طرز کا پل	۸
۴۳	مرد آہن میاں گل عبد الودود بانے ریاست سوات	۹
۴۳	بانے ریاست سوات کے خلیفہ اصغر شہزادہ روم	۱۰
۴۷	سید و شریف ریاست سوات کا دارالسلطنت۔	۱۱
۹۱	کپٹن ادرنگ زیب خان ولیعہد ریاست سوات	۱۲
۹۱	سید و شریف کا ایک خوبصورت ہوٹل	۱۳
۹۲	وادی کالام کا ایک منظر	۱۴
۹۲	بحرین (سوات) کا ایک منظر۔	۱۵





اللہ بخش یوسفی

افتتاحیہ

سوات اپنے قدرتی مناظر۔ فرادانی آب۔ سرسبز پہاڑی اور میدانی علاقوں کی وجہ سے بلاشبہ پاکستان کا خوبصورت ترین حصہ شمار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس تمام دل کشی اور خوبصورتی کے باوجود تاریخ کے کسی دور میں بھی وہاں کسی دیرپا حکومت کے قیام کا پتہ نہیں چلتا اور یہ کچھ سوات پر ہی منحصر نہیں۔ پورے قبائلی علاقہ میں شاید روز آفریش سے کوئی منظم حکومت قائم نہ ہو سکی تھی۔

سوات کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس خطہ ارضی کا ذکر قدیم ترین کتابوں میں مرقوم دکھائی دیتا ہے۔ اسے گلزار یا گلستان کے ہم معنی ناموں سے لپکارا جاتا رہا۔ اور اس کی یہ خوبصورتی اور دلربائی ہی حقیقت پر مبنی حملہ آوروں کو اس طرف رخ کرنے کی رغبت دلاتی رہی۔ اس کی دلکشی خود اس کے لئے وبال جان بنی۔ کبھی ایرانیوں نے اسے لتاڑا تو کبھی یونانیوں

نے اس طرف یلغار کی۔ بدھ مت کو بھی یہی علاقہ مرغوب رہا تو ہاتھ
بدھ کی کئی روایات کو اس سرزمین سے واسطہ کر دیا گیا تھا۔

سوات میں جہاں تک کسی حکومت کے قیام کا تعلق ہے۔ اول
بار اس کا ایک خاکہ عہد بدھ مت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت
اس علاقہ میں سٹروکوں کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ نئی نئی آبادیاں بسائی
گئی تھیں یا پھر اس کے بعد تھوڑے سے عرصہ کے لئے ہندو شاہیہ
نے اس سرزمین پر ایسے وقت اپنا پرچم لہرایا کہ جس وقت قبیلہ یوسف
زئی موجودہ علاقہ سے بہت دور افغانستان اور بلوچستان کے
درمیانی علاقوں میں نظر آ رہا تھا۔ ہندو شاہیہ کا چراغ زیادہ
دیر تک جل نہ سکا تو سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں اسے ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے گل ہو جانا پڑا۔

سوات کی سرزمین ایسے ہی حالات سے ہمکنار ہوتی رہی۔ وقت گزرتا
گیا۔ مغل درانی سکھ اور انگریز ہر ایک نے اپنی طاقت آزمادیکھی لیکن ان میں کا
کوئی ایک خاندان بھی اپنی حکومت قائم نہ کر سکا تا آنکہ حضرت اخوند صاحب (سوات)
(بابائے سوات) کی اولاد سے حضرت میاں گل عبدالودود نے ۱۹۱۵ء میں
ایک منظم حکومت کی بنیاد ڈالی جس نے دن دوئی رات چوگتی ترقی کرتے ہوئے
سوات جدید کے نام سے اپنے آپ کو دنیائے روشناس کرایا اور ایسا اعلیٰ
نظم و نسق قائم کیا کہ جس پر جس قدر بھی فخر و مسرت کا اظہار کیا جائے بے جا نہ ہوگا
یہ اوراق اسی سوات جدید کے متعلق لکھے جا رہے ہیں۔

ریاست سوات



سیدنا ابراہیم



بدھ مت کے بانی گوتم بدھ

87074

87074

ریاست سوات

ریاست سوات اس قدیم علاقہ کا ایک حصہ ہے کہ جسے مورخین نے گندھارا کے نام سے پکارا تھا۔ جس کے اذکار سے ابتدائی دور کی تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ جس کی تاریخ خاص اہمیت رکھتی ہے۔ جسے کوئی مورخ نہ تو نظر انداز کر سکا اور نہ کر سکتا تھا۔ یونانیوں نے اسے گنداریا (GANDARIA) کے نام سے موسوم کیا۔ اور اس وقت کے محل وقوع کے لحاظ سے اس میں دریائے انگر سے دریائے سندھ اور کوہ سفید سے کوہاٹ کی پہاڑیوں تک کا علاقہ شامل تھا۔ یا یوں کہئے کہ ضلع پشاور۔ ضلع مردان۔ درہ کوہاٹ۔ علاقہ ہند۔ باجوڑ سوات اور بونیر کو ملا کر گندھارا پکارا جاتا تھا۔

اس علاقہ کو قدیم سے ہی ایک مستقل صوبہ کی حیثیت حاصل رہی۔ خواہ وہ آزاد رہا یا محکوم۔ اور مختلف ادقات پر

چار سده۔ پشاور۔ اور ہنڈ وغیرہ نے جو اس وقت ان ناموں سے موسوم یا مشہور نہ تھے۔ اس کے دارالسلطنت کے طور پر اپنے قدیم ناموں سے شہرت حاصل کی تھی۔

نام قدیم کتب میں سوات کا ذکر اودیانا *CDYANA* کے نام سے دکھائی دیتا ہے۔ جو پراکرت (سنسکرت) میں اودیانا لپکا راجا تارہا۔ جس کے معنی بلخ۔ گلستان یا پارک نما جگہ کے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قدیم علاقہ کو زمانہ قدیم سے ہی اپنی خوبصورتی۔ دلکشی اور قدرتی مناظر کی وجہ سے اہمیت و شہرت حاصل رہی ہے۔ اور یہی شہرت مختلف اقوام کو اس طرف دیکھنے یا اقدام پر آمادہ کرنے کا باعث بنی۔

دور سکندراعظم کے یونانی مورخین نے اپنی رسم کے مطابق اس علاقہ کا ذکر اس کے دریا کی نسبت سے کیا۔ جو اس وقت دریائے سوات اور اس عہد قدیم میں سواستو *SAWASTU* لپکا راجاتا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لفظ سوتیا *SWETA* سے مشتق ہے جس کے معنی سفید یا شفاف پانی کے ہیں۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ نے بھی سفید یا شفاف پانی کا ذکر کیا ہے۔ گیارویں صدی عیسوی میں مشہور مورخ البیرونی بھی شفاف پانی کا ذکر کرتا ہے اور آج بھی دریائے سوات کے ضفاف و شفاف چاندی کی طرح

چمکتے ہوئے اس پانی کو دیکھا جائے تو کچھ عجیب سی مسرت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس دریا کے قرب میں جب سین ادبو (سفید پانی) نامی کوئی بستی بھی دکھائی دے رہی ہو تو پھر اس کے سواستویا سویتیا پکارے جانے پر کسی طرح تعجب نہیں ہوتا۔ اور یقین کیا جاسکتا ہے کہ اس علاقہ کو اس کے صاف و شفاف پانی سے بھرپور ندی نالوں ہی کی وجہ سے سواستویا سویتیا پکارا گیا ہوگا۔ جو بعد میں چل کر سواد جیسا باہر کی تخریروں میں درج ہے اور پھر سوات بن گیا۔

سکندر اعظم کی بلخار

سکندر اعظم سے قبل سوات کی شہرت قدیم الایام سے سنی جاتی رہی ہے۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کی قدیم مقدس کتاب رگ وید میں بھی اسے اودیانتہ کے نام سے جگہ ملی۔ پھر جب واقعات و حالات کو ضبط تحریر میں لانا ضروری خیال کیا گیا۔ یا ان کے لکھنے کا آغاز یا رواج شروع ہوا۔ تو سوات سے متعلقہ اذکار نمایاں حیثیت میں تاریخ کے اوراق پر منقش ہونے لگے۔ ان نقوش کی باقاعدہ ابتداء یونانیوں نے کی اور انہی کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ قبل از تدوین تاریخ میں سکندر اعظم سے بہت پہلے ہی ایرانی اور یونانی اس طرف کارخ کر چکے تھے۔ چنانچہ جب سکندر نے اس علاقہ کو روند ڈالا۔ تو اس علاقہ میں نیسا کے باشندوں نے اپنے کسی اکل فیس (AKULPHIS) نامی سردار یا حکمران کی زیر قیادت حاضر ہو کر

سکندر اعظم کے سامنے یوں درخواست گزار می تھی کہ
 اے شاہ۔ نیسا کے باشندے مودیانہ عرض گزار
 ہیں کہ اس احترام کے پیش نظر کہ جو تو ان کے معبود
 ڈائے نے سس کے لئے (اپنے دل میں) رکھنا ہے۔
 اس شہر کو صحیح و سلامت چھوڑ دے۔۔۔۔۔ کیونکہ
 بکوس نے۔۔۔۔۔ اس شہر کو اپنے ان سپاہیوں کے
 رہنے کے لئے کہ جو عمر یا حادثوں کی وجہ سے فوجی ملاز
 مت کے قابل نہ رہے تھے آباد کیا تھا۔۔۔۔۔ وہ اس شہر
 کو اپنی نرس (دایہ) کے نام کی نسبت سے نیسا
 (نوسن) لپکارتا تھا۔۔۔۔۔ ساتھ ہی اس پہاڑی
 کو بھی کہ جو ہمارے قریب ہے۔ اس نے مشتری
 سے پیدائش کی وجہ سے میرون کے نام سے لپکارا
 تھا۔۔۔۔۔ اور اس شہر کی بکوس کے ہاتھوں
 بنیاد رکھنے کا بین ثبوت یہ ہے کہ سداسر سہنرولائی
 بیل (۱۷۶) جو ہندوستان بھر میں کہیں دستیاب
 نہیں ہوتی ہمارے علاقہ میں کھلتی پھولتی ہے۔

(انڈیکا۔ ایرین)

سکندر اعظم کی یلغار اس وقت کہ ایران پر دارا سوم حکومت
 کر رہا تھا۔ سکندر اعظم نے اس طرف کا

رخ کیا اور ایران۔ افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان کی راہ لی تھی۔ افغانستان سے روانگی کے وقت یونانی لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصہ لشکر نے درہ خیبر کے راستہ پشاور کا رخ کیا۔ جس کی راہ دھانی اس وقت پیو کی بوتیس (PEUKELOOTIS) پکاری جاتی تھی جسے بعد میں چل کمر محققین نے چارسدہ (ضلع پشاور) کے مقام پر آباد بتایا۔ دوسرے حصہ لشکر نے خود سکندر اعظم کی قیادت میں کنٹر کے راستے سے اقدام جاری رکھا۔ یہ راستہ خیبر سے دور بجائے خود قدیم و مشہور راستہ شمار ہوتا تھا اور زمانہ قدیم میں آمد و رفت زیادہ تر اسی راستے سے ہوا کرتا تھا۔

سکندر اعظم باجوڑ میں
 :ادی کنٹر (افغانستان) سے نکل کر
 سکندر علاقہ باجوڑ (پاکستان)
 میں داخل ہوا۔ یہاں کے باشندے جو تاریخ میں اسپاسین
 ASPASIANS پکارے جاتے ہیں۔ مقابلہ کے لئے موجود تھے۔
 اریگائن ARIGAION کے مقام پر شدت کی جنگ لڑی گئی۔
 جو مورخین کے خیال میں سرزمین پاکستان پر سکندر کی اولین جنگ
 عظیم تھی۔ سکندر کے ساز و سامان۔ اس کے نظم و نسق۔ سامان کی

اریگائن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ اسی کے قریب کوئی آبادی تھی۔ (گٹس آف انڈیا)

فراوانی۔ اور منظم لشکر کے سامنے مقامی باشندے ٹہرنہ سکے تو انہوں نے آرگائن کو ہی نذر آتش کر دیا۔ سکندر کے افسر اطلاعات ظالمی PTOLEMY کے بیان کے مطابق سکندر نے اس جگہ کے چالیس ہزار باشندوں کو قیدی بنایا اور دو لاکھ تیس ہزار میل اپنے قبضہ میں کر لئے۔ جن میں کی چیدہ تعداد کو افزائش نسل کے لئے یونان بھیج دیا گیا تھا۔ ارگائن کے محل وقوع کے پیش نظر سکندر نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کی ہدایت کی اور اصل باشندوں کو جو واپس آنے پر رضامند تھے اور اپنے لشکر کے ان افراد کو جو مستقبل میں فوجی خدمات دینے کے قابل نہ تھے اس جگہ آباد کر دیا تھا۔

اساکینیوں سے پہلی جنگ اس کے بعد سکندر اعظم کو سوات کی ایک اور مضبوط طاقت سے مقابلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ ستمبر ۳۲۷ء قبل مسیح میں دوبارہ دریائے پنجکوڑہ کو عبور کرتے ہوئے قبیلہ اساکین ASSAKEUIAN کے جا مقابل ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس قبیلہ کا سردار بیس ہزار سوار اور تیس ہزار پیادہ لشکر لئے مقابلہ پر نظر آنے لگا۔ قلعہ مساکا MASSAGA کے سامنے میدان کارزار گرم ہوا۔ جو قدرتی اور انسانی تعمیر کردہ تحفظات کا بہترین نمونہ بیان کیا جاتا تھا۔ اس کے مشرق کی طرف دریائے سوات۔ جنوب اور مغرب کی

کی طرف سنگلاخ چٹانیں اور گہری دلدلیں۔ اس کے ساتھ حملہ آوروں کو روکنے کے لئے ارد گرد اینٹ پتھر اور لکڑی کے کوئی چارمیل کے رقبہ میں تحفظات بنے ہوئے تھے۔ طرفین نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ شدید جنگ لڑی گئی۔ کٹر (افغانستان) کے بعد سکندر اعظم دوسری باریہاں زخمی ہوا۔ شروع میں تو اس نے زخم کو کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن جب خون کی گرمی کم ہوئی اور درد نے بے قرار کیا۔ تو وہ چلا اٹھا کہ لوگ اسے مشتری کا بیٹا پکارتے تھے۔ لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی حیثیت ایک عام انسان کی سی تھی۔

اس مقابلہ میں اساکین قبیلہ کا سردار مارا گیا۔ قبیلہ میں بے چینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ کیورلیس (CURIOUS) لکھتا ہے کہ ناامید ہو کر باشندے قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جہاں ان کے لئے اطاعت کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ انہوں نے ایچی بھیج کر صلح کی درخواست کی۔ اور جب وہ قبول کر لی گئی۔ تو ملکہ بڑی تعداد میں معزز بیگمات کو ساتھ لئے خود حاضر ہوئی جو سنہری پیالوں میں شراب دان کرتی رہیں۔ ملکہ نے اپنے خوردسال بچے کو سکندر کے قدموں میں ڈال دیا اور نہ صرف معافی کی طلبگار ہوئی بلکہ اس نے یہ بھی درخواست

کی کہ اس کے سابق اعزاز کو برقرار رہنے دیا جائے
 کیونکہ وہ ملکہ کہلاتی تھی۔ اور بعض لوگوں کا خیال
 ہے کہ سکندر نے یہ بخشش اس کے مصائب کو دیکھ کر
 نہ کی تھی۔ بلکہ اس کا محرک ملکہ کا حسن و جمال تھا۔
 بعد ازاں ملکہ کے ہاں ایک لڑکا بھی پیدا
 ہوا جس کا نام سکندر رکھا گیا۔

اس قلعہ کے اساکینی لشکر میں سات ہزار ہندوستانی
 سپاہی بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ فتح کے بعد سکندر نے انہیں اس
 شرط پر معاف کر دیا کہ وہ اس کے لشکر میں شامل ہو کر خدمات
 سرانجام دیں۔ چنانچہ اس قلعہ سے کوئی نو میل دور ان کے لئے
 کمپ لصب ہوا۔ لیکن بعد میں چل کر سکندر نے ان پر حملہ کر دیا۔
 تو وہ جان توڑ کر لڑے اور عزت کی موت کو غلامی کی ذلت
 پر فوقیت دیتے ہوئے ایک ایک کر کے سب کٹ گئے۔ سکندر
 کے اس کمپ پر حملہ کرنے کی وجوہات پر مورخین میں اختلاف
 رہا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سکندر جیسا بہادر حکمران کسی طرح
 ایسے عہد سے انحراف نہ کر سکتا تھا۔ بعض لکھنے والوں کی
 رائے میں ہندوستانی لشکر کسی بیرونی طاقت کا آلہ کار بن کر اپنے
 وطن کو غلام بنانے کی حرکت کو پسند نہ کر سکا تو اس نے سکندر
 کے خلاف سازش کی جس کا اسے پتہ چل گیا۔ تو قبل اس کے کہ اس

کپ سے کوئی حرکت ہوتی اس نے اچانک حملہ کر دیا تھا۔
 مساکا کا محل وقوع بھی دوسرے مقامات کی طرح مورخین
 کے زیر بحث رہا ہے۔ بعض لکھنے والوں کا خیال ہے کہ
 یہ مقام نواگئی سے کچھ فاصلہ پر متکانے کے مقام پر یا اس کے
 گرد و نواح میں آباد تھا۔ لیکن تاریخ ہند کے مصنفین نے اسے منگلور
 کے مقام پر ظاہر کرتے ہیں۔ منگلور ریاست سوات کے دارالسلطنت
 سیدو شریف سے بحرین جاتے ہوئے سڑک کے دائیں کنارے
 کچھ ہٹ کر پہاڑیوں کے اندر اس وقت ایک گاؤں کی شکل
 میں آباد نظر آتا ہے۔ اس کے قریب مٹی کی ایک قدیم ڈھیری
 بھی ہے۔ جس کی کھدائی سے سکندر اعظم کے وقت کے سکے وغیرہ
 بھی ملے تھے۔ قدیم سیاحوں کی تحریروں اور گیتوں وغیرہ میں بھی
 منگلور کے اذکار ملتے ہیں۔ اور محل وقوع کے لحاظ سے ان تفضیلات
 کا متحمل ہے کہ جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

ریاست اورایانورہ اوربازیرہ
 مساکا سے چل کر سکندر اعظم کو
 اورایانورہ ORA OR NORA

اوربازیرہ (BAZIRA) نامی دو چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے
 پشنا تھا۔ یہ دونوں ریاستیں ایک دوسرے سے متصل اور باہمی
 امداد و اعانت پر بھروسہ رکھتی تھیں۔ ریاست بازیرہ کے باشندوں
 نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ لیکن جب وہ یونانیوں کی فوجی چال بازیوں

تاریخ ہند جسں سمجھ

کاشکار ہو کر کمین گاہوں کو چھوڑ کھلے میدان میں آتقال ہوئی تو بد مقابل ثابت نہ ہوئی یونانی لشکر کے
ساخو پٹر ناشکل ہو گیا اور جب اور اسے متوقع امداد بھی بر وقت مل نہ سکی تو بھاگ کھڑے ہوئے
ادھر سکندر اسی دوران میں اور اپر حملہ آور ہو کر اس پر قابض ہو گیا مذکورہ ریاستوں کو
باشندوں نے شکست کے باوجود اطاعت قبول نہ کی اور ملک کو ہی خیر باد کہتے ہوئے
کوہ ارنوس (Aornos) کی طرف چل دیئے۔

زمانہ قدیم کی ان آبادیوں اور بدلے ہوئے حالات کے
بدلے ہوئے ناموں میں تطابق پیدا کرنے کے لئے اکثر مشکلات
پیش آتی رہیں۔ چنانچہ اورا اور بازیرہ بھی جب زیر بحث آئے۔
تو ماہر آثار قدیمہ مسٹر کننگھم نے بازیرہ کو اس جگہ بتایا کہ جہاں
اس وقت ضلع مردان کا موضع رستم آباد ہے۔ اور چونکہ یہ
جگہ سوات اور دریائے سندھ کے درمیان واقع ہے۔ اس وجہ
سے اس کی اہمیت سے انکار نہ کیا جاسکا۔ اور اگر مسٹر کننگھم کے
اس خیال کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اورا کو اس جگہ آباد ہونا چاہئے
کہ جہاں ان دنوں ضلع مردان میں موضع بازار آباد ہے۔

دوسرا ماہر آثار قدیمہ مسٹر سیٹن۔ جو اکثر مواقع پر مقامات
کے محل وقوع میں دوسروں سے اظہار اختلاف کرتا رہا ہے۔ اس
میں بھی اپنی جدارائے ظاہر کرتے ہوئے بازیرہ کو
علاقہ سوات میں باری کوٹ کے مقام پر اورا کو
باری کوٹ سے چند میل دور اودے گرام کی جگہ آباد کیا

ہمارا خیال ہے کہ جن دنوں مذکورہ ماہرین آثار قدیمہ مصر و تحقیقات و تلاش تھے۔ ان دنوں زیر بحث علاقہ میں گھومنے پھرنے اور تفتیش و تجسس کی وہ سہولتیں میسر نہ تھیں جو اس وقت حاصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں کئی مواقع پر ظن و قیاس سے کام لینا پڑا۔ اور وہ پورا پورا اور بازیرہ کا صحیح محل وقوع بیان نہ کر سکے۔ مسٹر کننگھم تو پھر بھی اصل مقامات کے ارد گرد گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن مسٹر سین اس جگہ سے بہت دور نکل گئے کہ جس جگہ مذکورہ مقامات آباد بیان کئے جاتے ہیں۔

علاقہ زیر بحث پر نظر ڈالی جائے تو اور ہمیں اس وقت بھی علاقہ سدھم اور زرڑ کے درمیان آباد دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کے قریب ہی نوگرام کی قدیم آبادی ہے جسے نورہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ اور نوگرام کی قدامت اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس کے قریب ہیں ایک وسیع حوض بھی موجود ہے اور رانی گٹ کے نام سے ان بلند پھری ستونوں کو بھی دیکھا جاسکتا ہے جو بلند و بالا بہ طرز قدیم استادہ دکھائی دیتے ہیں۔ اور پھر اورہ سے کوئی پندرہ میل دور موضع بازار بازیرہ کی بگڑی ہونی شکل میں موجود ہے۔ اور اس مذکورہ فاصلہ کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اورا اور بازیرہ کی دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایک دوسرے

کے قرب میں تھیں اور ان کے محل وقوع کے تعین میں مسٹر کنگھم اور مسٹر سیٹن دونوں سے غلطی ہوئی تھی۔ اور اور نورہ نام کی دو آبادیاں تھیں۔ البتہ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی حکومت ریاست اورہ کہلاتی تھی یا ریاست نورہ۔

اس کے بعد سکندر اعظم اساکینیوں سے دوسری جنگ نے کوہ ارلوس کی طرف اقدام کیا جسے عام طور کوہ ہما بن خیال کیا جاتا ہے۔ وہاں سے پھر اسے سوات کا رخ کرنا پڑا۔ جہاں وہ ایک دفعہ قبیلہ اساکین سے جنگ لڑ چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ کے لوگ آمادہ بہ اطاعت نہ ہوئے تھے اس وجہ سے دوبارہ اس طرف یلغار ہوئی۔ یہ مقابلہ واسرتا (DYRTA) کے مقام پر ہوا۔ سکندر اعظم کامیاب رہا۔ لیکن اس کے باوجود اس علاقہ کے باشندے اطاعت پر آمادہ نہ کئے جاسکے۔ وہ اپنے وطن کو ہی خیر باد کہہ کر دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے دریائے جہلم اور چناب کے درمیانی علاقہ میں جو ابھی سارا ABHISARA کہلاتا تھا جا مقیم ہوئے۔ سکندر اعظم اس جنگ سے واپس لوٹ کر ادہند (ہند صلیح مروان) پہنچا۔ جہاں اس نے ٹکسلا کے حکمران امبھی (AMBHI یا OPHIS) کے سفیر یا ایچی کو باریاب کیا اور پھر جنوری ۳۲۶ء قبل مسیح میں عازم ہندوستان ہوا۔

بدھ مت کا عروج و زوال

ہندوستان میں جنم لے کر چھٹی صدی قبل مسیح میں گوتم بدھ نے ایک جدید مذہب "بدھ مت" کا ظہور

کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت ہندو دھرم کی مکمل اجارہ داری برہمنوں کے ہاتھ میں تھی۔ اپنی قوم و ملت کی زندگی یا موت کا بااختیار سمجھا جاتا تھا۔ ان کی زبان کا ہر لفظ قانون اور ان کی ہر حرکت فیصلہ کا حکم رکھتی تھی۔ اس اجارہ داری کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انسانوں کے بہت بڑے حصہ کو انہوں نے حقوق انسانی سے محروم کر دیا۔ انہیں شورو اور بلچھ کا نام دے کر اپنی قوم سے جدا کر دکھایا۔ اور ان سے یہاں تک غیر انسانی سلوک ہوا کہ برہمن ان سے براہ راست بات بھی کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ قاعدہ و قانون بنا دیا گیا۔ کہ بوقت ضرورت اگر کسی برہمن کو اس آبادی کے کسی رکن سے گفتگو کرنا ہی ضروری ہو تو وہ مخاطب کسی دوسرے شخص کو کرے اور اس طرح اپنی آواز شور یا بلچھ کے کانوں تک پہنچا دے۔ اگر کسی وقت انفاقہ طور پر بھی وید کا

کوئی اشلوک کسی شودر کو سنائی دے تو اس جرم میں سیسا پگلا کر اس کے کان میں ڈال دیا جائے۔ ان حالات میں جب بدھ مت کا ظہور ہوا۔ جس کی تعلیم صاف ستھری، عام فہم اور اپنے اندر توحید کا رنگ لئے ہوئے تھی تو عوام نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور جلد ہی ہندوستان کی سرزمین پر اس جدید مذہب کا پھر پرا لہرانے لگا تھا۔

سکندر اعظم کے گندھارا سے رخصت ہو جانے کے بعد دریائے سندھ کے مغرب کی طرف یونانیوں کی حکمرانی دکھائی دینے لگی تھی۔ دور دراز علاقوں کے چھوٹے موٹے سرداران قبائل اپنی آزادی کے قیام یا اس کے دوبارہ حصول کی کوشش میں منہمک رہے۔ اسی دوران میں جب ۳۲۳ قبل مسیح میں سکندر نے فرشتہ اجل کو لبیک کہا تو اس کے بعد ہی یونانی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہونا شروع ہوئی۔ ہر صاحب طاقت جرنیل یا گورنر نے اپنی انفرادی آزادی کا اعلان کیا۔ انہی حالات میں سکندر سے کوئی بیس سال بعد اس کے ایک قابل و بہادر جرنیل سلوکس کو دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی فکر ہوئی اس نے سندھ کے مشرق کے علاقہ کو جس پر اس وقت ہندوستان کے موریانہ خاندان کا مشہور حکمراں چندر گپتا قبضہ کر چکا تھا دوبارہ اپنے تسلط میں لے لینا چاہا۔ چنانچہ وہ لشکر لئے روانہ ہوا۔ ادھر چندر گپتا بھی کابل کانٹے سے تیار تھا۔ بالآخر دونوں میں مفاہمت ہو گئی۔ چندر گپتا نے پانچ صد ہا تھی بطور نذرانہ پیش کئے تو سلوکس نے نہ صرف یہ کہ دریائے سندھ کے مشرقی علاقہ پر اس کا تسلط برقرار

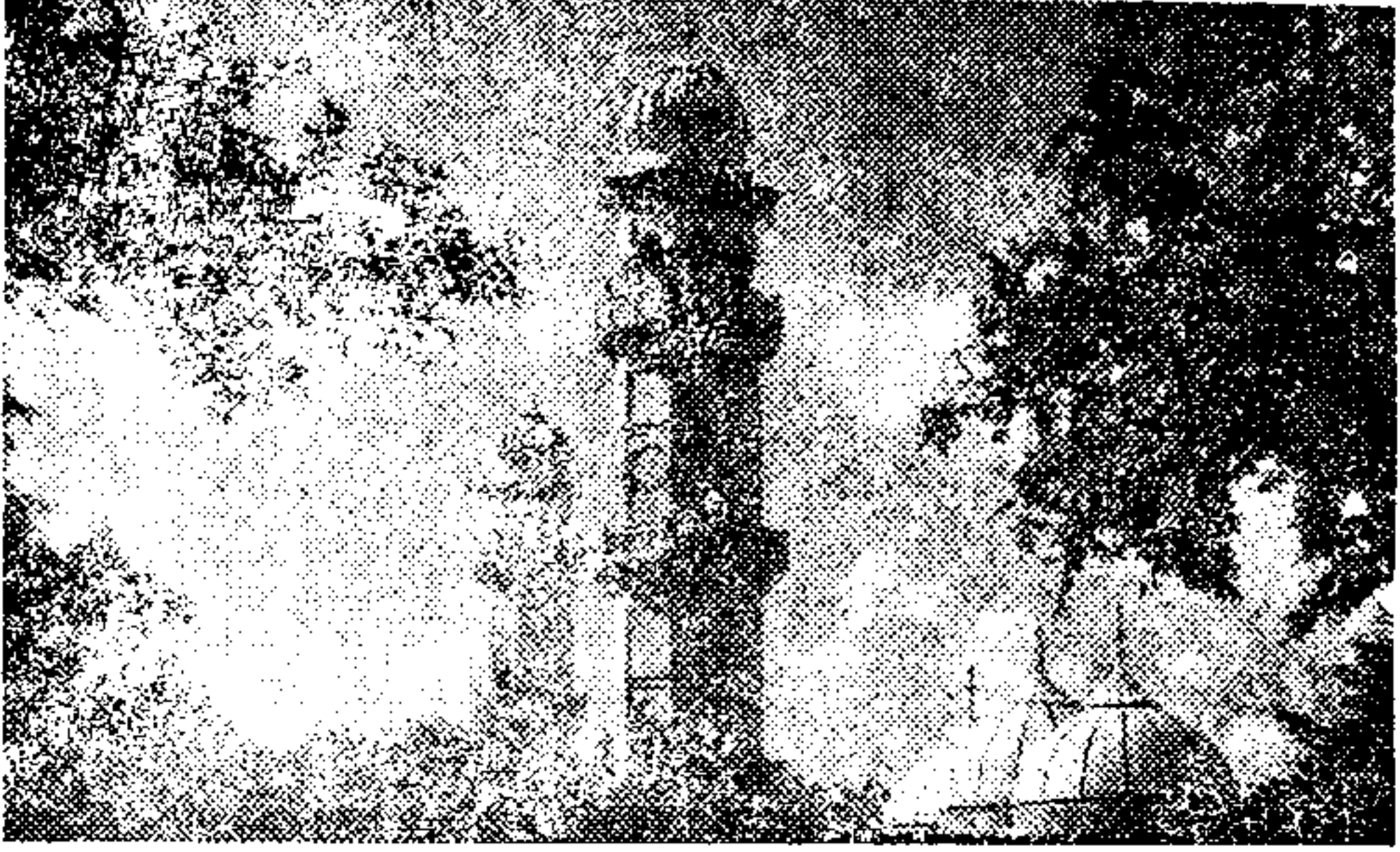
رہنے دیا بلکہ گندھارا اور وادی کاہل کے علاقے بھی اس کے زیر اقتدار کر دیئے۔ ساتھ ہی اس سے اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دی۔

چندر گپتا نے بدھ مت قبول کر لیا اور اپنے وقت کا مشہور ترین حکمراں ثابت ہوا۔ اس نے بدھ مت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا لیکن زیادہ تر توجہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف ہی رہی اور گندھارا کے علاقہ میں بدھ مت کی کسی خاص سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا۔ چندر گپتا کے بعد اس کے بیٹے بندوسرا نے ۲۹۰ قبل مسیح سے ۲۷۲ قبل مسیح تک اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کامیاب طریقہ پر حکومت کی۔ اس کا بیشتر وقت بھی ہندوستان میں بدھ مت کی تبلیغ پر خرچ ہوا۔ لیکن بندھ پارگندھارا کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی گئی تھی۔

اس کے بعد چندر گپتا کے پوتے اور تاریخ ہند کے مشہور ترین بدھ حکمراں اشوک کی باری آئی۔ اس نے ۲۷۲ قبل مسیح میں سریرا رانے سلطنت ہو کر اپنے آپ کو بدھ مت کے لئے وقف کر دیا۔ بدھ مت کو حقیقتاً اس کے عہد حکومت میں عروج حاصل ہوا۔ اس نے بدھ بھکشوؤں (علماء) کی کانفرنسوں طلب

۱۔ اوری اٹل بائیوگرافیکل ڈکشنری۔ از بیل۔

۲۔ اس کی تلج پوشی سریرا رانے سلطنت ہونے کے چار سال بعد ۲۷۲ ق م میں ہوئی۔ ریشا در ڈسٹرکٹ گزیٹیٹر ۱۹۳۱ مقالہ ہارگریوز



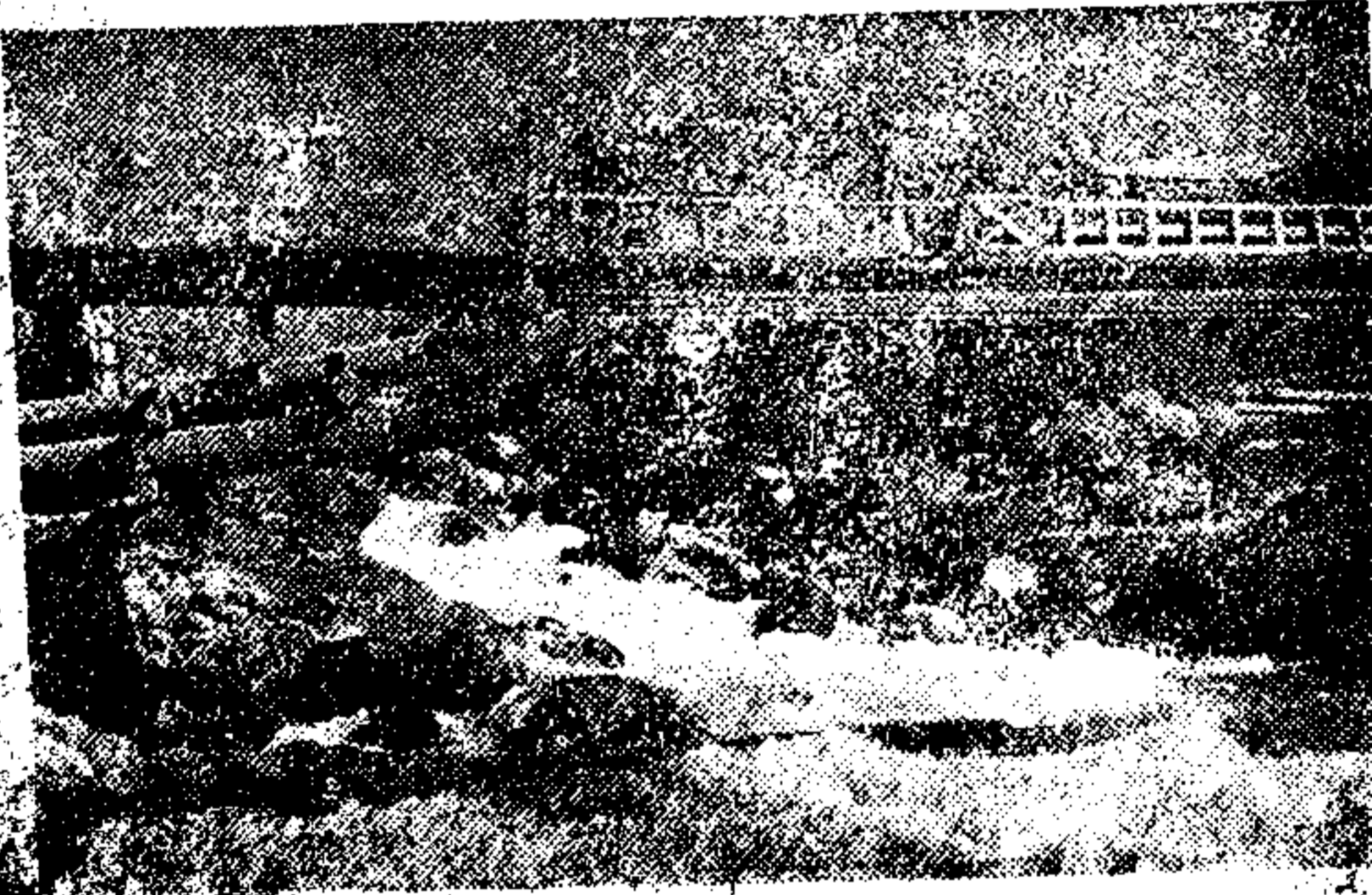
مسجد پیر بابا کا ایک منظر - بنوہر



مقبرہ حضرت اخوند درویش - پشاور



علاقہ کوہستان کے باشندے (سوات)



دوہائے سوات اور قبائلی علاقوں کا منظر

کیں۔ مذہبی مسائل کی تشریح و توضیح کرائی گئی۔ مذہبی امور میں جو شکوک یا اختلافات رونما ہو رہے تھے انہیں ختم کر دینا چاہا۔ ملک کے دور دراز مقامات تک مبلغین روانہ کئے۔ یہی نہیں بلکہ بیرون ملک کو بھی بدھ مبلغین اسی دور حکومت میں بھیجے گئے تھے۔ اشوک ہی کے زمانے میں بدھ مت کو گندھارا پہنچنے کا موقع ملا۔ اور اسی عہد حکومت میں مشہور بدھ مبلغ ماوہنتیکا (MADHYANTIKA) کو ۲۵۶ء قبل مسیح میں گندھارا اور کشمیر کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ وہ ان علاقوں میں بسنے والوں کو بدھ مت کی تعلیمات سے روشناس کرائے۔ اس طرح گویا عہد اشوک میں بدھ مت نے گندھارا کے علاقہ میں قدم اُجھائے تھے۔ اسی کے دور حکومت میں بدھ مت کو ہندوستان سے نکل کر افغانستاں، سیلون اور دوسرے دور دراز مقامات تک پہنچنے کا موقع ملا تھا۔ اشوک کے زمانہ میں ملک کے دور دراز علاقوں تک پہنچنے کے لئے لضب کئے گئے جن میں علاقہ یوسف زئی کا کتبہ بمقام شاہپاز گڑھ بہت ہی مشہور اور قابل ذکر ہے۔ ۲۳۴-۶ء ق م میں ہندوستان اور گندھارا کا یہ مشہور حکمران دنیا سے چل بسا۔

اشوک کے بعد بدھ مت کا زوال
یوسف زئیوں کی ہجرت شروع ہوا۔ ہندوؤں نے پھر سر اٹھایا۔ یونانی جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ دوبارہ قیام حکومت کے لئے تگ و دو کرنے لگے۔ اس دوران میں وسط ایشیا

کے قبائل نے اس طرف کا رخ کیا تو قبیلہ ساکا اور کشن وغیرہ گندھارا میں دکھائی دینے لگے۔ اور قبیلہ کشن نے توکنار گنگا تک جا ڈیرے لگائے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یوسف زئی وسط ایشیا کے تاتاری قبائل کی اطاعت پر آمادہ نہ ہو سکے تو ان کی یلغار سے تنگ آکر انہوں نے ہجرت کی اور افغانستان و بلوچستان کے درمیانی علاقہ میں مقیم نظر آئے۔ جہاں سے کوئی ایک ہزار سال بعد وہ پھر ملک احمد خان کی قیادت میں موجودہ علاقہ کو واپس لوٹے تھے۔

بدھ مت کے آثار قدیمہ علاقہ سوات کو عہد قدیم میں اس وقت نمایاں ترقی حاصل ہوئی کہ

جس وقت بدھ کو عروج حاصل ہوا۔ چینی سیاح ہیون سانگ اس وقت اس علاقہ کا رقبہ پانچ ہزار (۵۰۰۰) چابھری تھا۔ جو ہماری پیمائش سے اندازاً ۸۳۳ میل کے برابر ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت یہ علاقہ موجودہ سوات کے علاوہ دریائے سندھ کے مغرب کی طرف کی پہاڑیوں اور دارو کے علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے چینی سیاح فاہین کے بیان کی روشنی میں کہ جس نے سنہ ۶۳۰ء میں اس ملک کی سیاحت کی تھی اس علاقہ میں بدھ کے پانچصد معبد پجاریوں سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ اور پھر سنہ ۶۳۰ء میں ہیون سانگ نے بدھ کے دور زوال میں اس علاقہ کو دیکھا تو اس کی چودہ سو خانقاہیں جن میں اٹھارہ ہزار بھکشور ہا کرتے تھے ویران دکھائی دیتی ہیں بقول ہیون سانگ

اس وقت اس علاقہ کے اکثر باشندے مستقلاً جادوگری یا طلسمات کو بطور پیشہ اختیار کر چکے تھے۔ اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ تبت میں مروجہ لاما مذہب کے بانی پدما سنبھا (Padma Sambhava) نے بھی اسی علاقہ میں جنم لیا تھا اور تبت کے علاقہ میں جادوگری کے جو کوشمے بیان کئے جاتے ہیں وہ اسی علاقہ کی جادوگری سے متعلق رہے ہوں گے۔

بدھ عہد کے جس قدر کتبے یا آثار قدیمہ اس علاقہ میں ملے یا مل سکتے ہیں اتنے شاید ہی کسی اور علاقہ میں مل سکیں۔ چونکہ اس علاقہ میں کوئی منظم حکومت موجود نہ تھی اس وجہ سے اس طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ عہد انگلشیہ میں جب انگریز لشکر نے اس علاقہ کی طرف یلغار کی اور سرسری طور اس طرف نظر اٹھائی تو اس دوران کشمکش میں سینکڑوں نوادرات انگریزوں کے ہاتھ لگے جن میں سے کچھ تو ڈھونڈنے والے خود لے گئے اور کچھ پشاور اور لاہور کے عجائب گھروں کی زینت بنے۔ انہی قدیم نوادرات سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقہ میں سانپوں یا اژدھانوں کی پرستش بھی ہوتی تھی۔ چنانچہ دریائے سوات کے منہ کے قریب اس مشہور اژدھا کی جائے رہائش بیان کی جاتی ہے جو آپالالہ (APALALA) کے نام سے موسوم تھا اور جسے بدھ نے اپنا حلقہ بگوش بنا لیا تھا۔ یہی وجہ ہے جو بدھ دور کی سنگتراشی میں اس سانپ کو خاص اہمیت سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اور ایک کتبہ سے بھی کہ جو ۱۸۹۵ء میں ملا تھا۔ سانپوں کی پرستش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ کتبہ خرید قشطنی زبان میں ہے۔ اور اس

کی عبارت کا ماہرین نے یوں ترجمہ کیا:

داتی کے بیٹے تھیوا (بدھ بھکشو) نورا کی ہدایت سے تمام
ناگوں کی پرستش کے لئے تالاب بنانے کا فیصلہ ہوا سال ۳۱۱
ماہرین نے اس ۳۱۱ سے ۶۵۰ قبل مسیح مراد لی ہے۔

موجودہ حکومت سوات ان آثار قدیمہ کی طرف توجہ دے رہی
ہے چنانچہ اٹلی کے ماہرین آثار قدیمہ کی ایک جماعت پروفیسر جی طوسی
(G. Tucci) کی قیادت میں پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ کے تعاون
سے کھدائی کا کام کر رہی ہے۔ یہ جماعت ۱۹۵۴ء سے ہر سال چند ماہ
سوات میں گزارتی ہے۔ اور جو نوادرات اسے ملے ہیں انہیں سوات کے
عجائب گھر میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس جماعت کو کھدائی کے دوران ایسے
آثار ملے ہیں جن کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پانچویں صدی قبل مسیح
سے متعلق ہیں۔ اور دیگر ام میں ایک محل کے آثار ملے ہیں جن کی نسبت خیال
کیا جاتا ہے کہ وہ سکندر اعظم کے حملہ کے وقت موجود اور دوبار سلطان
حمود غزنوی کے زمانہ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ دوسرے مقام پر کھدائی کرنے
سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ علاقہ تیسری صدی کے اخیر یا چوتھی صدی
عیسوی میں سیلاب وغیرہ سے برباد ہوا ہوگا۔ اس جماعت کا خیال ہے
کہ پانچویں سے ساتویں صدی کے دوران میں چینی سیاحوں نے جس بار سلطنت
کا ذکر کیا ہے وہ منگورہ کے مقام پر ہی تھا۔ تب کارا اس جگہ بیان
کیا جاتا تھا جس جگہ چینی سیاح سن ین کی تحریر کے مطابق تالو (TALO) کا

مشہور معبد تھا۔ اس مرکزی معبد کے ارد گرد ایک سو بیس چھوٹے چھوٹے معبد ملے ہیں اور ان میں سے بعض نوادرات بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ پروفیسر نکور کا خیال ہے کہ یہ قدیم مقامات بار بار مٹ کر پھر بنتے رہے اور ان نوادرات کو دیکھتے ہوئے ان مقامات سے ملے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ باشندگان سوات نے فن سنگتراشی میں کمال حاصل کر لیا تھا اور اس کمال کی وجہ سے ان لوگوں کو چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں چین بلا یا گیا تھا تاکہ وہ وہاں کے معبدوں کو نقش و نگار سے مزین کریں مسٹر طوسی نے اس علاقہ کی شاہراہ کو مشرق و مغرب کے درمیان خاص اہمیت کا منحل بیان کیا ہے۔

بدھ مت پر ترقی اور تنزل کے کئی دور گزرے اس
ہندو شاہیہ مت کی آمد سے برہمن کی اجارہ داری پر کاری ضرب لگی تھی۔ اسی وجہ سے ہندو بدھ کش مکش جاری رہی۔ اور جب کبھی ہندوؤں کو موقع ملا انھوں نے بدھ مت کو ختم کر دینے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ یہ مخالفت حقیقتاً شوک کے زمانہ ہی سے شروع ہو چکی تھی اور پہلی صدی قبل مسیح میں مشہور ہندو راجہ بکرماجیت کو اقتدار حاصل ہوا تو اس نے بڑے شد و مد سے بدھ مت کی مخالفت کی اسی راجہ کے عہد میں سن بکرچی کا سہہ قبل مسیح میں آغاز ہوا۔ اس کے بعد پھر بدھ مت کو عروج ملا۔ کشن خاندان محافظ بدھ مت نظر آنے لگا۔ پھر بدھ مت کا زوال شروع ہوا۔ ساتویں صدی کے وسط میں ہندوؤں نے بڑے منظم طریقہ پر ہندو دھرم

کی تبلیغ شروع کر دی اور بدھ مت کو مٹا دینے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے
دی گئی بن کی آمد کے بعد یعنی اندازاً ۱۰۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک پھر کسی
بیرونی حملہ آور کا پتہ نہیں چلتا۔

ہندوؤں نے مختلف علاقوں میں اپنی راجدھانیاں قائم کر لیں۔
گندھارا کے علاقہ پر وقتاً فوقتاً اقتدار بدلتا رہا کبھی یہ علاقہ کلپتا آزاد رہا
تو کبھی کسی طاقتور حکمران کے زیر اقتدار دکھائی دینے لگا۔ تا آنکہ دسویں صدی
میں ہندو شاہیہ نے اس علاقہ پر اپنا پرچم لہرایا تو اس کا اقتدار موجودہ
صوبہ سرحد سے نکل کر علاقہ سوات اور نغان (افغانستان) تک دکھائی
دینے لگا۔ چنانچہ بریکوٹ (ریاست سوات) سے جو ایک کتبہ دستیاب
ہوا اس پر بربان سنسکرت مرقوم تھا کہ

عہد فرمانروائے اعلیٰ شاہان عظیمی کے بلند مرتبہ شاہ اور

فختر اعلیٰ سری جیپالا دیوا۔

جیپالا دیوا سے مراد راجہ جے پال ہے حقیقت یہی ایک ہندو
خاندان تھا جس نے گندھارا پر حکومت کی تھی اس سے قبل کسی وقت
بھی کوئی ہندو حکومت اس علاقہ پر حکمران دکھائی نہیں دیتی اور اس
آخری ہندو حکومت کا چراغ بھی جلد ہی سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں
گل ہو گیا تھا۔

عہد اسلامی کا ابتدائی دور

ابتدائی مسلم حملہ آور سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ہندو شاہیہ کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل ہوا اور سلطان نے اس علاقہ پر اپنا پرچم لہرایا۔ اس کے بعد غوری خاندان برسر اقتدار آیا۔ پھر دوسرے خاندانوں نے جگہ لی۔ اور ہر خاندان نے اپنے وقت میں اپنے اقتدار کے بقا و قیام کے لئے تگ و دو جاری رکھی۔ یہاں اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اس وقت تک قبیلہ یوسف زئی موجودہ علاقہ کی بجائے افغانستان اور بلوچستان کے درمیان مقیم تھا۔

یوسف زئیوں کی آمد خاندان مغلیہ کے الخ بیگ کو انہی یوسف زئیوں کی امداد و اعانت سے تخت افغانستان نصیب ہوا تھا۔ لیکن بعد میں چل کر اس کی نیت میں فتور آیا تو اس نے یوسف زئی اور دوسرے افغان قبیلہ گگیانیوں میں اختلاف پیدا کر دیا۔

اور خود گلیانیوں کا ہمنوا ہو کر مقابلہ پر اتر آیا۔ لیکن کامیابی حاصل نہ کر سکا تو چال بازیوں سے کام لینے لگا۔ صلح و صلاحیت کی باتیں شروع کر دیں اور بالآخر یوسف زئی سرداروں کو ایک دعوت میں مدعو کر لیا۔ وہ اعتماد کرتے ہوئے شریک دعوت ہوئے تو اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ وہ سمجھل بھی نہ سکے تھے کہ قتل کر دیئے گئے۔ ان حالات میں قبیلہ کے نوجوان ملک احمد خان نے قیادت سنبھالی اور خیر اسی میں دیکھی کہ جس طرح ہوا اپنے قبیلہ کو افغانستان سے باہرے جانے۔ اس میں اگرچہ یہ خطرہ ضرور تھا کہ پھر الخ بیگ اڑے آئے گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ ایسی صورت میں خود الخ بیگ کو یہ خطرہ درپیش ہوگا کہ کہیں تمام افغان قبائل مجتمع ہو کر یوسف زئیوں کی حمایت شروع نہ کر دیں۔ چنانچہ اس نے یوسف زئیوں کے افغانستان سے نکل آنے پر کوئی قابل ذکر مخالف نہ کی۔

ملک احمد خان نے علاقہ پشاور میں داخل ہونے پر وہاں کے مقیم قبیلہ ولازاک سے جائے رہائش کے لئے درخواست کی۔ اور دلازاکوں کے اظہار رضا مندی کر دینے پر یوسف زئیوں کو دو آبہ (پشاور) کے علاقہ میں مقیم کر دیا۔ بعد میں جب دوسرے قبیلے بھی اس طرف کارخ کرنے لگے تو یوسف زئیوں نے بخوشی خود یہ علاقہ گلیانیوں کو دیدیا۔ پھر شہنشاہ کا علاقہ محمد زئیوں کے حوالہ کیا اور خود سوات دیر باجوڑ مردان وغیرہ کی طرف چلے یہ جہادہ اس وقت تک آبا د ہیں۔

ملک احمد خان ولد سلطان خان قبیلہ منڈر کے ذیلی قبیلہ زڑ کی شاخ ملک زئی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی اولاد موضع یار حسین (علاقہ زڑ) میں آباد ہے۔

علاقہ سوات عہد مغلیہ میں

بابر کا اقدام
 ادھر پشاور مردان سوات باجوڑ وغیرہ علاقوں میں
 ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی۔ یوسف زئی اور دوسرے
 قبائل اپنے لئے جدا جدا علاقے مختص کرتے ہوئے اپنا اقتدار قائم کر رہے تھے۔
 ادھر افغانستان میں محمد ظہیر الدین بابر کو تخت کابل پر قبضہ کرنے کا موقع ملا۔
 اس کا اشارہ عروج چمکنے لگا۔ فتح دکامرائی اس کے قدم چومنے لگی۔ ان حالات
 میں اس نے ہندوستان کا رخ کرنا چاہا۔ راستہ میں کئی قبائلی آبادیاں اسے
 اولیں نظر میں کسی طرح باعث مشکلات دکھائی نہ دیں لیکن جب اقدام
 شروع کرتے ہوئے خیبر پختونخوا اپنے اندازہ کے برعکس اسے ایسے لوگوں سے

پیدائش ۱۵ فروری ۱۴۸۳ء مطابق ۶ محرم الحرام ۸۸۸ھ وفات پیر ۲۶ دسمبر
 ۱۵۳۰ء مطابق ۶ جمادی الاول ۹۳۶ھ۔

واسطہ پڑا جو بہادری اور جوانمردی سے تحفظ وطن کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھے۔ انہوں نے بلارتومات حاصل کئے باہر کو اپنے علاقہ سے گزرنے کی اجازت نہ دی اور سدراہ ہوئے۔ باہر صیاحکمران بھی سر تسلیم خم کرنے والا نہ تھا۔ اس نے وقتی طور ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ بدل کر پہلے قبائلیوں سے دودو ہاتھ کر لینے کا فیصلہ کیا۔

اس سلسلہ میں پہلے پہل اس کی نظر یوسف زئیوں پر پڑی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اس قبیلہ اور انخ بیگ کی کش مکش سے پوری طرح واقف تھا۔ پھر بعض افراد نے انخ بیگ کے قتل میں بھی یوسف زئیوں کا ہاتھ بتایا علاوہ ازیں کہا جاتا ہے کہ ملک احمد خان کی شہرت اور اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر باہر نے اسے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی دعوت دی تھی۔ ملک احمد خان نے اپنے حالات کے پیش نظر دعوت کو قبول کر لی لیکن خود حاضر دربار نہ ہوا بلکہ اپنے ایک عزیز ملک سیف خان کے فرزند ملک شاہ منصور کو بھیج دیا۔ باہر نے اسے خلاف درزی احکام اور اپنی بے عزتی پر محمول کیا۔ اس کے ساتھ ہی باجوڑ میں اس سے قبل سلطان جدر علی مرزا انخ بیگ کے احکام کی خلاف ورزی کر چکا تھا۔ اس نے نہ تو اطاعت قبول کی تھی نہ خراج دینے پر رضامند ہوا۔ ان وجوہات سے باہر نے پہلے ہی اس علاقہ کو منتخب کیا اور لشکر لئے روانہ ہو گیا۔

شاہ منصور کا تعلق قبیلہ اباخیل (سدوزئی) سے ہے۔

جنگ باجوڑ مختصر یہ کہ بابر نے اقدام کرتے ہوئے اس علاقہ کو سزا دینی چاہی۔ ۱۵۱۹ء میں یکم محرم الحرام کو باجوڑ کا رخ کیا۔ اس کے ساز و سامان کو دیکھ کر بھی سلطان باجوڑ نے جو قبیلہ یوسف زئی سے تعلق نہ رکھتا تھا اور جو یوسف زئیوں سے شکست کھا کر باجوڑ اور افغانستان کے درمیانی علاقہ میں اپنی جدید حکومت قائم کر چکا تھا۔ اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آمادہ بہ جنگ ہو کر مقابلہ پر اتر آیا تو شکست کھائی۔ اس وقت تک باجوڑ کے باشندوں نے بندوق (ریج لاکس) کی شکل نہ دیکھی تھی۔ اول تو انہوں نے مذاق اڑانا شروع کیا لیکن جب چھ سات آدمی شکار ہو گئے تو انہیں اس کی اہمیت و طاقت کا احساس ہوا۔ اب وہ محتاط ہو کر لڑنے لگے۔ رات گزر گئی۔ دوسرے دن شدت کی جنگ میں میدان بابر کے ہاتھ رہا۔ مزید اقدام کے سلسلہ میں بابر اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ چونکہ لشکر کے لئے اناج کی کمی تھی ہم نے وادی کھراج پہنچ کر غلہ پر قبضہ کر لیا اور پھر سواد (سوات) میں یوسف زئی افغانوں کے خلاف حملہ کا آغاز کیا۔ دوسرے دن اقدام جاری رکھتے ہوئے ہم نے چندل (چندول) اور دریائے باجوڑ کے مقام اتصال پر ڈیرے جمائے۔ یہاں کے یوسف زئی چند بہت ہی

برا وہ ابتدائی بندوق جس میں اوپر نالی سے بارود بھری جاتی اور چقان سے پیدا کردہ شعلہ سے داغی جاتی تھی۔

دنگش لیکن انتہائی لشہ آور مدہوش کرنے والی کیمیا لائے
 میں نے ایک کے ٹکڑے کاٹے۔ ایک حصہ میں نے خود کھایا
 دوسرا طاغانی کو دیا اور تیسرا عبد اللہ کو۔ اس ایک ٹکڑے نے
 مجھ پر کافی اثر کیا اور اس قدر مدہوش کر دیا کہ جب نماز
 مغرب کے بعد بیگ مشوروں کے لئے جمع ہوئے تو میں ان
 میں شامل نہ ہو سکا اور یہ امر بہت ہی تعجب انگیز تھا کیونکہ
 اب میں اس قسم کا پورا کیمیا معمولی اثر لئے کھا سکتا ہوں۔
 حالانکہ اس وقت نصف سے کم نے ہی مدہوش کر دیا تھا۔

میدانی علاقہ میں آمد
 اس کے بعد لوڑک باہری کے مطالعہ سے پتہ
 چلتا ہے کہ نامعلوم وجوہات سے اس نے

سوات کی طرف مزید اقدام نہ کیا بلکہ دریائے امبار کے راستہ سے میدانی
 علاقہ یوسف زئی کی راہ لی اور تخت بائی کے گرد و نواح سے گزر کر کائننگ
 پہنچا۔

باہر کے کیبل کانٹے سے لیس ہو کر علاقہ سوات کی طرف بلیغ کرنے کے بعد
 بلا کسی وجہ ظاہر کئے اس کا واپس میدانی علاقہ کی راہ لینا زیر بحث رہا ہے۔
 عام خیال یہ ہے کہ ملک شاہ منصور اس کے دربار میں ایک دفعہ حاضر ہو کر
 اس سے تعلقات پیدا کر چکا تھا۔ باہر کو اس علاقہ میں پہنچ کر غالباً احساس
 ہوا کہ ایسی حالت میں اس کا مطمح نظر ہندوستان جیسے وسیع مالدار اور زرخیز
 علاقہ کو فتح کرنا تھا اور ایسی حالت میں کہ خیبر میں آفریدیوں کی روش اور ان کا

استقلال دیکھ چکا تھا۔ اسے یقین ہوا ہوگا کہ اگر یوسف زئیوں سے بھی لگاڑ پیدا کر لیا گیا یا وقتی طور اپنی طاقت کے زور سے اس نے اس قبیلہ کو مطیع بھی کر لیا تو وہ اطاعت حقیقی معنوں میں اطاعت نہ ہوگی اور میدانی علاقہ میں مناسب انتظام کرائے جانے کے باوجود پہاڑی قبائل کی علاقہ کے باشندے پر لیشان کرتے رہیں گے جس سے افغانستان اور ہندوستان کا درمیانی راستہ کسی وقت بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔

اس کا واحد حل یہی تھا کہ یوسف زئیوں بی بی مبارکہ سے شادی سے کسی باعزت طریقہ پر تعلقات قائم کر لئے جاتے چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد سے نامہ و پیام ہوتا رہا۔ جس کے نتیجے میں ملک شاہ منصور نے اپنی دختر نیک اختر بی بی مبارکہ کی شادی بابر سے کر دی۔ جس سے اس قبیلہ کے ساتھ اس کے تعلقات زیادہ بگڑ نہ سکے اور بابر خود لکھتا ہے کہ اس نے یوسف زئی لڑکی سے شادی ہی کو صلاحیت کی بہترین شکل خیال کیا تھا۔ بعض مورخین کی رائے میں بی بی مبارکہ بابر کے ہندوستان کی طرف کوچ کر جانے پر باجوڑ کے قلعہ میں مقیم رہی اور اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔

بابر کو یوسف زئیوں پر اپنا اقتدار قائم نہ کر سکا لیکن اس قبیلہ میں شادی کر لینے کے بعد بڑی حد تک اس کے تعلقات ان سے خوشگوار نظر آنے لگے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہندوستان پر آخری حملہ میں دیگر افغان قبائل کے علاوہ بابر دس تو صرف یوسف زئی تھے جن کی اکثریت

فتح کے بعد ہندوستان میں ہی مقیم ہو گئی تھی اور انہی کی اولاد کے بعد میں سرزمین ہند پر کئی ریاستوں کی بنیادیں رکھی گئیں۔

بابر کے بعد خاندان مغلیہ کے تمام حکمران یکے بعد دیگرے اپنے اپنے عہد حکومت میں سوات پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پورے علاقہ یوسف زئی پر

قتل و خونریزی اور ملک کی تباہی و بربادی کے باوجود ان (قبائلی) علاقوں میں مغل کسی وقت بھی مستقلاً اپنے پاؤں نہ جما سکے اور نہ ہی کسی وقت ان حقائق کو ضبط تحریر میں لانے کے قابل ہوئے۔ اس وجہ سے آئین اکبری کی کوئی ایک جلد بھی مکمل نہیں کہلا سکتی۔ (دیپچر اورٹی)

انہی خیالات کو حضرت میاں گل عبدالودود بانے ریاست سوات جدید نے یوں تصدیق کر دی تھی کہ

تاریخ کے کسی دور میں حتیٰ کہ عہد اکبر یا اورنگ زیب میں بھی اور درانیوں کا تو ذکر ہی کیا۔ اس علاقہ یوسف زئی کے باشندے کسی حکومت کے تابع فرمان نہیں رہے تھے۔

یا دی پٹھان از اولفا کیرو

تحریک روشنائی

محمد ظہیر الدین بابر کے بعد مخلوں کے ابتدائی دور حکومت میں کہ ابھی وہ قیام و انتظام کے لئے تگ و دو کر رہے تھے۔ انہیں ہندوستان میں شیر شاہ سوری سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اسی قبیلہ یوسف زئی کا چشم و چراغ اور اپنے مسکن موضع سورتے کی نسبت سے سوری پکارا جاتا تھا۔ اس شیر شاہ نے مخلوں کو ایسا پریشان کیا کہ ہمالیوں کے لئے ہندوستان سے نکل بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ رہا۔ اور پھر ایک عرصہ تک مصائب و آلام برداشت کرنے کے بعد اسے بھی دوبارہ تخت دہلی پر متمکن ہونے کا موقع ملا تھا۔

اس ابتدائی عہد ہمالیوں میں پٹھانوں کے اندر بابتید نامی ایک شخص نے مذہب کے نام پر ایک قومی تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک نے ابتداء میں

عاطر خواہ کامیابی حاصل کرلی۔ علاقہ یوسف زئی بشمول علاقہ سوات کے باشندے بایزید کے گردیدہ نظر آنے لگے اور اس بانے تحریک نے اتنی ہرگز نہیں حاصل کرلی کہ اسے "پیر روشن" پکارا گیا اور تاریخ کے اوراق پر اس کی تحریک نے "تحریک روشنائی" کے نام سے جگہ حاصل کرلی۔

اس تحریک کی مخالفت میں حضرت پیر بابا میدان میں نکل آئے وہ ایک عرصہ سے بونیر میں مقیم رہ کر اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے شہرت اور اثر و رسوخ حاصل کر چکے تھے۔ انہوں نے مخالفین کی ایک جماعت پیدا کرلی اور ان کے خلیفہ یا دست راست حضرت اخون درویشہ اس مخالفت کی عملاً مخالفت کرتے نظر آئے۔ حضرت پیر بابا کا تعلق شاہی مغل خاندان سے تھا ان کے والد شاہی خاندان میں شادی کر چکے تھے اور حضرت پیر بابا اسی شہزادی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ہمالیوں کے ہندوستان سے شیر شاہ سورمی کے ہاتھوں فرار ہونے پر حضرت پیر بابا کے والد بزرگوار سید احمد ترمذی تو ہمالیوں کے ہمرکاب رہے۔ لیکن انہوں نے اپنے لڑکے سید علی ترمذی کو جو بعد میں چل کر پیر بابا کے لقب سے مشہور ہوئے تھے ہندوستان میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہندوستان سے نکل کر اول اوداہ (ضلع پشاور) میں گیگیانیوں کے پاس مقیم رہے اور بعد میں بونیر میں مستقلاً اقامت اختیار کرلی تھی۔ حضرت اخون درویشہ کی نسبت و توفیق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس قبیلہ سے متعلق تھے۔ بعض لکھنے والوں نے انہیں تاجک بتایا ہے تو بعض نے مغل بہر حال اس میں اختلاف نہیں کہ وہ قبیلہ یوسف زئی سے نہ تھے۔

بایزید (پیر روشن) کا تعلق قبیلہ اڑمڑ یا انصار سے بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا خاندان کافی گرام (وزیرستان) سے آمدہ بیان کیا جاتا ہے۔
 مختصر یہ ہے کہ تحریک روشنائی کی موافقت اور مخالفت میں خوب رسہ کشی ہوئی۔ اول الذکر نے مذہب کے نام پر اسے اٹھانے اور زندہ رکھنے کی کوشش کی تو موخر الذکر نے مذہب ہی کے نام سے اسے دفن کر دینا چاہا۔ حقیقت یہ ہے کہ میدان علم میں دلائل و براہین سے پیر روشن کو شکست نہ دی جاسکی۔ اس کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ مخالفین کو اپنی بے بسی کا احساس ہونے لگا۔ چنانچہ پیر روشن کے شدید ترین مخالف حضرت انون درویزہ لکھتے ہیں کہ

علماء اس کے عقلی استدلال کے سامنے بے بس تھے۔ انہیں عقلی و نقلی دلائل سے اس نے زچ کر دیا تھا۔

اس کا لازمی نتیجہ جنگ وجدل کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مقابلے ہوئے مذہب کے نام پر طرفین کے ہزاروں آدمی کام آئے۔ اس دوران میں پیر روشن نے وفات پائی۔ لیکن تحریک بدستور چلتی رہی۔ مقابلے ہوتے رہے۔ پیر روشن کے مریدین اور اس کے لڑکے اپنے عزم و ارادہ پر قائم رہے۔ تاآنکہ آخری قبیلہ کن جنگ موضع بینی (ضلع مردان) کے قریب لڑی گئی۔ تحریک کی حمایت میں پیر روشن کے مریدین اور اس کے لڑکے ملا میر (المعروف حق پیر) کی

قیادت میں نبرو آزماتے تھے تو مخالفین حضرت ملا اخون درویشہ کی رہنمائی میں مصروف جنگ نظر آئے۔ میدان کارزار مخالفین کے ہاتھ رہا۔ تحریک روشنائی کا قائد ملا میر بھی اس جنگ میں کام آیا۔ اور پیر روشن کے تین لڑکوں کی زندگی کا چراغ بھی گل ہوا۔ چوتھا جلال (جلالہ) جو کم عمر اور بہت خوبصورت تھا گرفتار ہو کر اکبر اعظم کے پیش کیا گیا تھا۔ جسے اکبر نے بڑی عزت و احترام سے اپنے پاس مقیم رکھا۔ لیکن وہ اس زندگی سے مطمئن نہ ہو سکا تو بھاگ نکلا اور پھر ساری عمر اس نے مغلوں کو چین لینے نہ دیا۔ اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ اخون درویشہ کے فتوے یا حکم سے پیر روشن کی لاش کو نذر آتش کرتے ہوئے اس کی اہلیہ کو کسی ڈوم کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔

مذکورہ جنگ کے بعد گویہ تحریک افریدی۔ مہند۔ بنگش وغیرہ

علاقوں میں تو چلتی رہی۔ لیکن علاقہ یوسف زئیے بشمول سوات میں اس کا چراغ گل ہو گیا۔ اور وہ بائزید جسے پیر روشن کہا جاتا تھا پھر پیر تارک پکارا جانے لگا۔ اور ایسا منظم و وسیع پہلے پر مخالف پراپیگنڈا ہوا کہ عوام اسے مخالف اسلام پیر تارکی کے نام سے ہی یاد رکھنے لگے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر اس تحریک کی مذہب کے نام پر اس شدت سے مخالفت نہ کی جاتی تو یہ تحریک پٹھانوں کو منظم کر دیکھانے میں وہ کارہائے نمایاں کرتی کہ ہندوستان کی تاریخ میں مغلوں کی بجائے پٹھانوں کے حالات سے ادراک مزین کئے جاتے اور صدیوں تک پٹھان حکومت کرتے دکھائی دیتے۔

ما قدرے تفصیلات کیلئے دیکھو یوسف زئیے "یا تحریک روشنائی"۔

درانی سلطنت اور انگریز

مغلوں کی مرکزی حکومت اپنے آخری دور میں ناقابل بیان حد تک کمزور ہو چکی تھی اور حقیقتاً برسوں قبل صوبہ سرحد کے علاقہ سے اس کا اقتدار اٹھ چکا تھا۔ افغانستان میں جن لوگوں کو حکومت یا گورنری ملی ان میں اتنی طاقت و سکت نہ تھی کہ قبائلیوں سے نبرد آزما ہو سکتے۔ ایسی حالت میں قبائلی علاقہ کو ایک عرصہ کے لئے بیرونی حملہ آوروں سے نجات مل گئی۔ انہی حالات میں جب افغانوں کے مشہور حکمران احمد شاہ ابدالی نے افغانستان میں اپنی حکومت قائم کر لی تو تمام افغان اسے اپنی قومی حکومت خیال کرتے ہوئے اس کی امداد و اعانت کرنے لگے۔ لیکن اس کے باوجود سوات اور ارد گرد کے پہاڑی علاقوں نے اطاعت پر اظہار آمادگی نہ کیا۔ اگرچہ وہ احمد شاہ ابدالی کی امداد کرتے رہے۔

درانیوں کے بعد سکھوں کی باری آئی۔ انہوں نے اپنی وحشت برہریت

کو علاقہ یوسف زئی میں پوری طرح بے نقاب کر دکھایا۔ لیکن اقتدار حاصل نہ کر سکے۔ ان کی جانشینی کا فخر انگریزوں کو حاصل ہوا۔ تو ظلم و ستم اور جبر و استبداد میں وہ کسی طرح سکھوں سے کم نہ تھے۔ ان کے پاس طاقت تھی۔ کارکن تھے۔ مال و دولت تھی۔ قیام حکومت کا جذبہ تھا۔ پشت پر انگلستان کی منظم و وسیع حکومت تھی۔ نتیجہ یہ کہ وہ میدانی علاقوں میں تو اپنا اقتدار قائم کر لینے میں کامیاب رہے۔ لیکن قبائلی علاقہ بدستور آزاد رہا۔ اور صوبہ سرحد میں پورے ایک سو سال تک مقیم رہنے کے باوجود علاقہ سوات کو زیرِ نگیں نہ کیا جاسکا۔ جس پر اس علاقہ کے باشندے جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔

انگریز اگرچہ علاقہ سوات پر قبضہ نہ کر سکا تھا۔ ملامستان کا ظہور تاہم علاقہ مالاکنڈ اور پابن سوات میں اس کے سیاسی اقتدار کو باشندگان وطن برداشت نہ کر سکے۔ اور اندر ہی اندر آگ سلگنا شروع ہوئی۔ حتیٰ کہ مئی ۱۸۹۷ء میں انگریزوں کو ایسی اطلاعیں بھی ملیں کہ جن سے بالائی سوات کے باشندوں کی مخالفت یا ان کے ابھرنے ہوئے جذبات کا پتہ چل سکتا تھا۔ لیکن انگریز نے نہ اقتدار میں ان علاقوں کو درخور اعتنا نہ سمجھا تا آنکہ خود نواب دیر نے انگریزوں کو پالم ملا صاحب اور ان کے رفقاء کی سرگرمیوں کی طرف متوجہ کیا۔ گو اس وقت یہ تحریک زیادہ تر کامیاب نہ رہی تاہم اس نے عوام کے جذبات ابھارنے میں کافی امداد دی تھی۔

۱۸ جولائی ۱۸۹۷ء کو لنڈا کے قریب ملامستان کے نام سے ایک مرد مجاہد نمودار ہوا۔ اس ملامستان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بونیر کے ایک معزز خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ والدین نے سعد اللہ خان نام رکھا۔ شوق حصول علم سے مختلف ملکوں کی سیر کرتا رہا۔ ایک عرصہ تک اجمیر شریف میں بھی تیام کیا۔ وہ ابتدا ہی سے بہادر نڈر اور طاقت و توانائی میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں جب اجمیر شریف سے واپس لوٹا تو اپنے جذبہ جہاد اور جذبات علمیہ کے اظہار کی وجہ سے ملامستان اور سر طور فقیر (برہنہ سر) پکارا گیا۔

انگریزوں کو ملامستان کی آمد اور عوام کو دعوت جہاد دینے کا علم ہوا تو اس نے مردان سے گانڈس نامی فوج طلب کر لی اور منیلا گیا کہ راتوں رات آمان درہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ اسی دوران میں ۲۶ جولائی کو ملامستان نے لنڈا کے سے تھانے کا رخ کیا۔ خود انگریز مضیفین کے خیال میں اس وقت اس کے ساتھ صرف چند خورد سال لڑکے ہاتھوں میں جھنڈیاں اٹھائے چل رہے تھے۔ لیکن راستہ میں تین چار سو یوسف ساتھ ہو گئے تو الہ ڈھنڈ۔ بٹ خیل۔ اور پیر کوردنہ سے ہوتے ہوئے اس نے مالاکنڈ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پولیکیل آفسیسر (میجر ڈین) اپنے لشکر کو پہلے ہی تیاری

مما غالباً اس لفظ ملامستان کی مناسبت سے انگریزوں نے میڈملا (MAD) (مستانہ ملا) کے نام سے اس کا ذکر کیا۔

کا حکم دے چکا تھا کہ وہ دن نکلے ہی ملاستان کے لشکر کو آنے کے ساتھ ہی منتشر کر دے۔ لیکن اس لشکر نے رات کوئی توبیخے کے قریب اچانک بالائینڈ پر حملہ کر دیا۔ ہمیں کا وہاں کے لشکر کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ انگریز لشکر ہی سراسیمگی کی حالت میں ہتھیار سنبھالنے لگے۔ انگریز نے سکھوں کو آگے جھونکا ان میں کے اکثر قتل ہوئے۔ شدید دست بدست جنگ ہوتی رہی طرفین کی لاشیں تڑپتی نظر آنے لگیں۔ قبائلیوں نے کواٹر گارڈ پر قبضہ کرتے ہوئے تمام اسلحہ و بارود لوٹ لیا اور صبح تک یہ ہنگامہ آرائی ہوتی رہی۔ اسی رات قبائلیوں نے چکدرہ پر بھی حملہ کر دیا۔ وہاں بھی سخت مقابلہ ہوا۔ ۲۷ جولائی کو لندن اور شملہ میں بیٹھے ہوئے حکمرانوں کو اطلاع ملی تو انہوں نے تازہ دم لشکر روانہ کرنے کی ہدایات جاری کر دیں چنانچہ ۳۰ جولائی سنہ ۱۸۹۷ء کو ذیل کا سرکاری اعلان شہر ہوا۔

گورنر جنرل ان کونسل لشکر کی روانگی کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں جو مالائینڈ فیلڈ فورس کہلائیگا۔ اس کا مقصد مالائینڈ اور ملحقہ چوکیوں پر قبضہ رکھنا ہے اور ساتھ ہی گرو دونوں کے قبائل کے خلاف وقت ضرورت ضروری کارروائی کرنا ہے

۱۔ ایک انگریز مصنف کے قول کے مطابق صبح ۹ قبائلیوں کی لاشیں ملیں ایک کرنل ایک میجر اور ایک لفٹنٹ قتل ہوئے ایک میجر ایک کپٹن اور لفٹنٹ زخمی ہوئے سپاہیوں میں ۲۱ ماری گئے اور ۳ زخمی ہوئے۔ ۲۔ مالائینڈ فیلڈ فورس۔ چرچل۔

انگریز لشکر کا اقدام ۳۱ جولائی ۱۸۹۷ء کو مذکورہ لشکر کا لشکرہ
 چھادنی (ضلع پشاور) میں اجتماع ہوا جنرل
 بندن بلڈ نے اس کی قیادت سمجھالی۔ اس رات قبائلیوں نے چکدرہ پر
 پھر حملہ کرتے ہوئے دو انگریز افسر ۱۶ سپاہی اور ۲۶ گھوڑے مار دیئے۔ یکم
 اگست کو قبائلیوں نے ایک بار پھر حملہ کرتے ہوئے چکدرہ کی چوکی پر
 قبضہ کر لیا۔ ۲ اگست کو انگریز کے مذکورہ لشکر نے موقع پر پہنچ کر پھر
 اس علاقہ میں اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوشش کی۔ قبائلیوں سے
 مقابلہ ہوا وہ ڈٹ کر مقابلہ پر اترے لیکن اس تازہ دم لشکر کے سامنے
 ٹہرنہ سکے تو پیچھے ہٹ گئے۔ انگریز رسالہ نے اقدام کرتے ہوئے امان درہ پر
 قبضہ کرتے ہوئے چکدرہ کو بھی محاصرہ میں لے لیا اور جو قبائلی انگریز کے ہاتھ
 لگا اس کی کوئی بات سنی نہ گئی۔ اسے یا تو نیردوں سے چھلنی کیا گیا یا فوراً
 قتل کر دیا جاتا رہا۔ سکھوں کو حکم ملا کہ وہ اپنے انتقام میں بڑے خیلہ پر یورش
 کریں جو امان درہ کے قریب ہی واقع ہے۔ وہاں بھی مقابلہ ہوا کئی لشکری
 مارے گئے اور آٹھ قبائلیوں کو سکھوں نے اپنی سنگینوں سے چھلنی کر دیا۔ ان
 جنگوں میں باشندگان سوات باجوڑ اور اتھمان خیلوں کے علاوہ بڑی تعداد
 میں مقبوضہ علاقہ کے لوگوں نے بھی شمولیت کی اور اپنے قبائلی بھائیوں کی
 امداد و اعانت کے لئے دادی بائے زئے (ضلع مردان اور تنگی (ضلع پشاور)
 کے جتھے خاص طور قابل ذکر ہیں۔

اب اس انگریز لشکر نے جوش انتقام میں اردگرد کے علاقہ کو تاراج

کرنا شروع کیا۔ اسے چھوٹے چھوٹے دیہات میں مختصر سی آبادیوں کے خلاف اپنی طاقت آزمانے کا موقع ملا اور گواکثر آبادیاں گھروں کو خالی چھوڑ کر پیچھے پہاڑیوں میں جا مقیم ہوئی تھیں تاہم بہادری کا سکہ جمانے کے لئے ان کے رکالوں کو سمار کرنے میں ہی انگریزوں کو اپنی بہادری کے جوہر نظر آنے لگے۔ اور اس طرح پائیں سوات کے علاقہ کو روندنا چاہا تو بالائی سوات کی طرف نظر اٹھی۔ اب کسی کے گناہگار یا بے گناہ ہونے کا کوئی سوال درپیش نہ تھا تباہیوں کو کچلنا۔ انہیں اپنی اطاعت پر مجبور کرنا اور اپنی طاقت کا رعب جمانا مقصود تھا۔ بالائی سوات کے باشندے اس وقت جنگ کرنا نہ چاہتے تھے اس وجہ سے انہوں نے شرائط صلح طلب کر لیں لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ اس علاقہ کو بھی روند کر اپنا اقتدار قائم کیا جائے۔ اپنی طاقت کا رعب بٹھایا جائے۔ لیکن اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا کہ جو قوم صدیوں سے ایسے حالات کا مقابلہ کر چکی تھی اسے کیسے اطاعت پر مجبور کیا جاسکتا تھا۔ وقتی طور پر ضرور دب سکتی تھی لیکن آگ کی چنگاری بھی آگ ہی ہوتی ہے کے مصداق کسی وقت وہی چنگاری مخالفین کے پورے نظم و نسق کو جلا کر خاک بھی کر سکتی تھی۔

بالاتی سوات پر حملہ
چنانچہ درخواست صلح یا طلبی شرائط صلح کے
مسئلہ کو درخور اعتنائہ سمجھتے ہوئے انگریزوں نے

اقدام کا فیصلہ کیا تو ۱۶ اگست کو لشکر تھانہ کی طرف روانہ ہوا اور اس مہم کو اتنا اہم خیال کیا گیا کہ جنرل بلڈ کے کثیر لشکر کی امداد کے لئے ایک دوسری

لشکر کو رستم (مردان) میں مقیم کر دیا گیا تاکہ باشندگان بونیر اس لشکر کے خوف سے سواتیوں کی امداد نہ کر سکیں۔ مختصر یہ کہ لشکر نے اقدام کرتے ہوئے اس دن یعنی ۱۶ اگست کو موضع لنڈا کئے پر حملہ کر دیا۔ باشندوں کو انگریز کے ارادوں کا قبل از وقت علم ہو چکا تھا۔ گو تعداد میں کم تھے تاہم مردانہ دار مقابلے کے لئے نکلے تو انگریز لشکر کا منہ پھیر دیا۔ جنرل بلڈ نے اسے اپنی ذلت پر محمول کیا ہوگا۔ چنانچہ دوسرے دن ۱۷ اگست کو تازہ دم لشکر بڑے ہی نظام سے توپ خانہ سمیت آگے بڑھنے لگا جیسے کسی بڑی اور منظم حکومت سے مقابلہ ہو رہا تھا۔ قبائلیوں نے جلالہ کے قریب اس لشکر کو روک کر مقابلہ شروع کیا۔ تو پختانہ کی آتش باری کی تاب نہ لا کر قبائلی پچھے ہٹنا شروع ہوئے تو انگریز کو ان کے پسپا ہوجانے کے خیال نے تعاقب پر مجبور کیا قبائلیوں نے یہ حالت دیکھی تو مرط کر شدت سے حملہ کر دیا شاہی لشکر کے بہت سے آدمی کام آئے اور طرفین لڑتے جھگڑتے پھر لنڈا کئے تک جا پہنچے یہاں سے انگریز لشکر پھردا پس ہو کر اپنے کیمپ کو لوٹ گیا۔

براگاند نامی فوج کے طعم خانہ (مس) بمقام مردان ایک رنگدار تصویر آویزاں ہے۔ جس میں لنڈا کئے کے مقام پر لفٹنٹ گریوز کے مردے کو غازیوں کے ہاتھوں سے چھیننے کا نقشہ دکھایا گیا ہے اسی جنگ میں انگریز کو دو دھسول بھی ہاتھ آئے وہ اس جگہ بطور یادگار رکھے ہوئے ہیں۔

جدید انتظامات اور ساز و سامان کے ساتھ ۱۸ اگست کو پھر اقدام شروع
 ہوا قدم قدم پر قبائلی مدافعت کرتے رہے تا آنکہ ۱۹ اگست کو اس لشکر نے
 منگورہ میں جادم لیا۔ قبائلی حسب معمول سایہ کی طرح ساتھ رہے۔ انہوں
 نے انگریز کو دم نہ لینے دیا۔ اس کے آگے راستہ کی مشکلات اور قبائلیوں کے غم
 کو دیکھتے ہوئے انگریز نے ۲۱ اگست کو واپس لوٹ جانے کا فیصلہ کیا تو ۲۲ اگست
 کو بری کوٹ میں قیام کے بعد اپنے کیمپ کی راہ لی۔ سوات کی طرف انگریز
 کا یہ آخری بڑا حملہ تھا۔

سوات
کا
دور جدید

سوات کا دور جدید

زمانہ قدیم سے درانیوں کے عہد پھر انیسویں صدی کے وسط سے بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں علاقہ سوات پر جو کچھ گزرتی رہی اس کا ذکر گذشتہ ادراق میں اپنے مناسب مقامات پر کیا جا چکا ہے۔ اس وقت جدید ریاست کے مختصر حالات جو مذکورہ ادارے کے بعد وقوع پذیر ہوئے لکھے جاتے ہیں جن کی ابتداء ۱۹۱۷ء میں میاں گل عبدالودود کے بادشاہ منتخب ہونے پر ہوئی تھی۔ ان حالات کو سمجھنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پس منظر پر بھی قدرے روشنی ڈالی جائے کہ جو میاں گل عبدالودود کے اس ریاست کو جدید زندگی دلانے کا باعث بنا۔

بائے سوات حضرت میاں گل عبدالودود
 حضرت اخوند صاحب کے دادا حضرت اخوند صاحب سوات کا۔

سلسلہ نسب ہندوؤں کے قبیلہ صافی سے جاملتا ہے۔ آپ علاقہ شامیرے (سوات) کے موضع جیڑی میں بہ دوران سال ۱۷۹۴ء پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام عبد الغفور اور والد کا عبد الواحد تھا۔ بچپن ہی سے حصول علم کا شوق اور زہد و تقویٰ سے رغبت رہی۔ اسی کا نتیجہ تھا جو بعد میں چل کر اخوند پکارے گئے اور دنیا انہیں حضرت اخوند صاحب سوات۔ صاحب سوات اور بابائے بید و شریف کے باعزت ناموں سے اس وقت تک یاد کئے جا رہی ہے۔ تعلیم کے ابتدائی مدارج طے کرنے کے بعد آپ گھر سے نکل کر گجر گڑھی (ضلع مردان) میں اس وقت کے مشہور عالم دین مولانا عبد الحکیم سے حصول تعلیم کرتے رہے۔ کچھ عرصہ آپ نے چکنی (پشاور) اور زیارت کا صاحب (تختیل نوشہرہ) گزارا۔ پھر پشاور شہر میں حضرت جی صاحب کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور آخر میں موضع طور ڈھیر (ضلع مردان) میں کچھ عرصہ مولانا محمد شعیب کی خدمت میں گزارنے کے بعد ان کی وفات پر ۱۸۱۶ء میں آپ نے دریائے سندھ کے کنارے موضع بکی میں جا قیام کیا۔ اور وہیں مشغول عبادت رہے۔ اندازاً ۱۸۲۸ء میں بکی سے نکل کر نمل اور پھر وہاں سے موضع سلیم خان پہنچے۔ جہاں انہیں اول بار اخوند پکارے جانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ سکھوں اور درانیوں کی جنگ میں آپ نے دوست محمد خان فرمائروائے افغانستان کا ساتھ دیا۔ اس طرح اپنی عمر کے چوبیس سال گزارنے کے بعد ستمبر ۱۸۳۵ء میں وہ اپنے وطن کو واپس لوٹ گئے۔ ابتداً انہوں نے موضع ملوچ کی ایک مسجد میں قیام کیا۔ وہاں

بہ آپ کا مزار محلہ صاحبزادہ فضل حق (چڑو دیوباں) پشاور میں ہے۔

سے موضع رنگیلا کو منتقل ہوئے پھر موضع ہوڈی گرام کے قریب غازی بابا کے مزار میں قیام رہا اور بعد ازاں مرغزار کے پروفنصار مقام کی راہ لی۔ وہاں سے موضع سپیل باندی میں جا کر شادی کی اور ۱۸۴۵ء میں اس جگہ سے نکل کر موضع سیدو میں سکونت اختیار کر لی۔ جو اس وقت ان کے تقدس کی وجہ سے سیدو شریف کہلاتا ہے۔ اور ریاست سوات کا دارالسلطنت ہے۔

سوات کی پہلی حکومت

سیدو میں مقیم ہو جانے کے بعد آپ نے باشندگان وطن کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ دی۔ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کے علاقہ سرحد میں پہنچ جانے پر آپ نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ لگاتے ہوئے اس علاقہ کو منظم کرنے کے لئے تک و دو شروع کی تو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے خاطر خواہ

کامیابی ہوئی۔ آپ نے مختلف علاقوں کے خواہن اور رؤساء کو دعوت مشاورت دے کر ان کے سامنے ملت کی تنظیم کا اہم ترین مسئلہ پیش کیا واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ مستقبل کے خطرات سے آگاہ کیا اور تجویز کی کہ تمام بااثر افراد اپنی افراد بیت کو چھوڑ کر کسی ایک شخص کو اپنا امیر منتخب کر لیں۔ اور اس طرح متحد و متفق ہو کر تحفظ ملت کا انتظام کریں سب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا تو عام خیال یہی تھا کہ وہ خود امیر منتخب ہوں گے۔ لیکن وہ اس بارگراں کو اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے عوام نے اسرار کیا تو آپ نے حضرت پیر بابا کی اولاد سے پیر اکبر شاہ کو امانت عطا فرمائی۔

حضرت پیر بابا کا ذکر عہد مغلیہ میں دیکھیے۔

کے لئے پیش کرتے ہوئے خود اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حاضرین نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے سید اکبر شاہ کو اپنا امیر یا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ ایک ریاست کی بنیاد پڑ گئی تو موضع عالیگی اس کا دار السلطنت قرار پایا۔ شریعت اسلام کے نام سے اس امارت نے کام شروع کیا لیکن کچھ زیادہ کامیاب نہ رہی۔ چھ سات سال کے عرصہ میں ہی اس کی بنیادیں متزلزل نظر آنے لگیں۔ اس دوران ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہوا۔

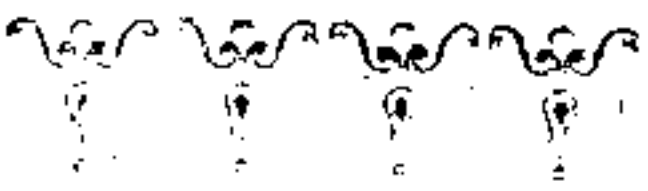
ملت کو منظم کرنے کا یہ عظیم موقع تھا لیکن عین اس وقت جب کہ مذکورہ جنگ کی خبریں سرزمین سرحد پر پہنچنے لگی تھیں۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو سید مبارک شاہ فرشتہ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ نظام میں پہلے ہی اتنی ہی پھل چکی تھی اب ان کے انتقال سے اس اولین امارت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ انگریزوں کو جو اس مذکورہ امارت سے خطرہ پیدا ہو رہا تھا اس کا اندازہ سر ہرٹ ایڈورڈ کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے جن میں لکھا ہے کہ اگر سوات میں شرعی حکومت اور خلجی قبائل کا سربراہ سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

سید اکبر شاہ کے بعد سید اکبر شاہ کی وفات پر ملک بھر میں پھر کوئی نظام دکھائی نہ دیا۔ خود اخوند صاحب اس

بار امانت کو اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے اور دوسری ایسی کوئی شخصیت دکھائی نہ دیتی تھی جن کے کندھوں پر اس امانت کو ڈال دیا جاتا۔ ان حالات میں سید اکبر شاہ کے فرزند سید مبارک شاہ اور حضرت اخوند کے



میاں گل عابد بوند
پانچے ریاست سوات



پانچے ریاست سوات کے خلیفہ اصغر
شمسزادہ دیوہ



میلو شریف - ریاست صوت ڈاؤنلوڈ

فرزند میاں گل عبدالخالق دونوں نے حصول اقتدار کی کوشش کی۔ اخوند کی موجودگی میں ان کی تائید حاصل کئے بغیر کسی کو برسر اقتدار آنے کا موقع نہ تھا اور ان دونوں کو ان کی حمایت حاصل نہ تھی۔ اس طرح کوئی حکومت قائم نہ ہو سکی۔ البتہ حضرت اخوند از خود اتحاد و تنظیم کی کوشش کرتے رہے۔ ان کے مذہبی فتووں اور فضیلوں کو عزت و احترام سے دیکھا جاتا رہا۔ اس دوران میں صوبہ سرحد کی مشہور جنگ امبیدہ کا آغاز ہوا تو ضرورت وقت کے پیش نظر قبائل کی درخواست پر آپ نے اس جنگ میں شرکت کی۔ بڑی تعداد میں آپ کے مریدین ہمراہ تھے۔ اس کے بعد کوئی قابل ذکر واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ آپ نے ۱۲ جنوری ۱۸۷۷ء مطابق ۱۷ محرم الحرام ۱۲۹۵ھ بروز شنبہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ تو سید و شریف میں ہی آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں آپ کا عالی شان خولصورت مقبرہ اس وقت تک عوام و خواص کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور جہاں دور دراز علاقوں سے آنے والے ہزاروں زائرین کا تائبندھا رہتا ہے۔

۱۷۔ یوسف زرنے از یوسفی۔

شجرہ نسب

حضرت اخوند صاحب کی اولاد کا شجرہ نسب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

عبدالواحد

عبدالعفور (حضرت اخوند صاحب سوات)

میاں گل عبدالخالق

میاں گل عبدالحنان

میاں گل عبدالننان

(شہزادہ شیریں جان)

میاں گل عبدالودود

بائے ریاست سوات

عبدالواحد امیر بادشاہ

عبدالرزاق سید بادشاہ

میاں گل عبدالحق چہاں زیب خان

والے ریاست سوات

شہزادہ فضل محمود (سلطان روم)

احمد زیب خان

امیر زیب خان

عالم زیب خان

اورنگ زیب خان ولیعهد

الوزیر زیب خان

اسلم زیب خان

اکبر زیب خان

حضرت اخوند کی وفات کے موقع

حضرت اخوند کے بعد

پر ان کے دونوں لڑکے عبدالمنان اور

عبدالخالق ایک جنگ کے سلسلہ میں نواب دیر کے ساتھ موضع تالاش

میں مقیم تھے۔ خبر وفات ملنے پر عبدالمنان واپس لوٹ آئے لیکن

عبدالخالق کو بروقت اطلاع نہ مل سکی۔ جلد ہی میں وہاں سے نکل کر

اول الذکر نے حصول اقتدار کی کوشش کی تو یہ اقتدار بزرگ حکمرانی

مل نہ سکا تاہم اس نے اپنے گرد طاقت جمع کر لی اور ایک قائد باسروار

کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگا۔ برخلاف ازیں موخر الذکر نے اپنے

والد کے نقش قدم پر چل کر عوام کے دلوں پر قبضہ کر لیا۔ علاقہ بھر میں

شرعیات اسلامیہ کے نفاذ کے سلسلہ میں دورے شروع کئے۔ بڑی

تعداد میں مریدین اور شیوخ ان کے گرد جمع تھے۔ اس طرح علاقہ میں

انہیں مذہبی اقتدار حاصل ہو گیا اور اتنی طاقت میسر آ گئی کہ وہ اپنے

فصلوں کو بزدرباز و نافذ کر سکیں۔ حضرت اخوند کی وفات کے

کوئی دس سال بعد ان کے بڑے لڑکے عبدالمنان وفات پلگئے۔

۱۸۹۲ء میں بہ عمر پینتیس سال عبدالخالق بھی اس دنیا سے رخصت

ہو گئے تو ایک دفعہ پھر یہ علاقہ اپنی سابقہ روایات کو زندہ کرنے لگا

پھر گھر گھر خانی کا درر عود کر آیا اور پھر ملک میں کوئی قیادت باقی دکھائی

نہ دی۔

میاں گل عبدالودود کی ابتداء میاں گل عبدالخالق کی وفات پر

ان کے دو کم سن بیٹے رہ گئے تھے بڑے میاں گل عبدالودود کی عمر کوئی دس سال تھی تو چھوٹے میاں گل شیریں جان بہت ہی کم عمر تھے۔ انہی دونوں کو باپ کا جانشین تسلیم کر لیا گیا۔ وہ سجادہ نشین کی حیثیت سے دکھائی دینے لگے۔ اس طرح گویا بچپن ہی سے مذہبی اقتدار حاصل ہو گیا۔ ایک عرصہ تک تو یہ سجادہ نشین ادران کے چچا زاد بھائی آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہے پھر اختلافات نے سہرا کھایا تو طرفین خطرہ محسوس کرنے لگے۔ دونوں نے اپنی اپنی جماعتیں منظم کرنا شروع کیں کشمکش بڑھنے لگی۔ سازشیں شروع ہوئیں۔ نتیجہ یہ کہ حالات اتنے بگڑے کہ ۱۹۰۴ء میں ایک دن جب اچانک یہ دونوں چچا زاد بھائی راستہ میں ایک دوسرے کے سامنے آئے تو دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کے اسلحے نے حرکت کی۔ سید بادشاہ کے گولی لگی تو وہ جا بزنہ ہو گیا دو سال گزرنے کے بعد اس کا دوسرا بھائی بھی اسی طرح میاں گل عبدالودود کی گولی کا نشانہ بنا۔ تو چچا زاد بھائیوں کی اس باہمی کشمکش کا خاتمہ ہوا۔ اب دونوں بھائی آپس میں اتحاد و اتفاق سے زندگی بسر کرنے لگے۔ انہوں نے جائداد تقسیم کر لی۔ اس دوران میں میاں گل عبدالودود فریضہ حج ادا کرنے چلے گئے۔ واپسی پر ان دونوں بھائیوں میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔ جنگ و جدل تک نوبت جا پہنچی۔ شیریں جان نے سید پر حملہ کر دیا لیکن شکست کھائی۔ پھر میاں گل نے کالیگی پر حملہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں دونوں بھائی چھ ماہ تک قنبر کے مقام پر ایک

دوسرے کے خلاف صف آراء رہے۔ بالآخر عارضی صلح ہو گئی تو شیریں جان نے تختہ بند میں قیام شروع کیا۔

سوات پر نواب دیر کا حملہ اس دوران میں سوات میں مقیم دو قبیلوں پنکی خیل اور شہموزے

میں اختلافات نے جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ کمزور پارٹی نے نواب

دیر سے امداد طلب کی۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لشکر

روانہ کر دیا۔ کمزور پارٹی نے دوبارہ اس علاقہ کو فتح کر لیا جو فریق مخالف

اس سے چھین چکا تھا۔ لیکن بعد میں جب نواب دیر سے لشکر واپس

بلانے کو کہا گیا تو اس نے مال مٹول سے کام لیا۔ جس کا مقصد یہی تھا

کہ وہ اب اس علاقہ کو ہاتھ سے دینا نہ چاہتا تھا۔ بلکہ اس کے لشکر نے

کابل اور نل نامی دو مقامات پر قلعے بھی تعمیر کر لئے۔ اس طرح ۱۹۰۸ء

میں نواب دیر پنکی خیل اور شہموزے کے علاقہ پر قابض ہو گیا۔

اب باشندوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ

حقیقت زنجیر غلامی کو انھوں نے خود دعوت دے کر حاصل کیا تھا کچھ

عرصہ گزرنے کے بعد سنڈا کے ملا نامی ایک شخص کو جوانگیر کے خلاف

قتال میں مصروف عمل تھا اس طرف متوجہ کیا گیا تو وہ سواتیوں

کی امداد پر آمادہ ہو گیا۔ اس کے گرد معتقدین جمع ہو چکے تھے۔ اس نے

اقدام شروع کر دیا اور جلد ہی سواتیوں نے نل پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت

دیر پر نواب اورنگ زیب خان حکمران تھا اس نے تازہ دم لشکر روانہ کر دیا

جنگ شروع ہوئی۔ سواتیوں نے تنگولی اور بانڈھی پر یکے بعد دیگرے لشکر کو شکست دی اور پھر سمبٹ سے اقدام کرتے ہوئے کبل کے قلعے کو بھی مخالفین سے خالی کر لیا۔ اس طرح مذکورہ علاقہ پر دیر کی سیادت باقی نہ رہی۔

مندرجہ بالا واقعات نے باشندگان سوات کی آنکھیں کھول دیں۔ انہیں اب اپنی تنظیم کی فکر ہوئی وہ سمجھ گئے کہ نواب دیر پر پھر کسی وقت حملہ کر کے انہیں غلام بنا لے گا۔ انہوں نے حضرت اخوند کے خاندانی وقار کے پیش نظر میاں گل عبد الوہود در شیریں جان کو حکومت مرتب کرنے کی دعوت دی۔ لیکن ایسی حالت میں کہ دونوں میں اختلافات موجود تھے۔ جنگیں لڑی جا چکی تھیں۔ میاں گل نے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ حضرت پیر بابا کی اولاد سے سید عبد الجبار شاہ ساکن ستخانہ کو دعوت دے کر بادشاہ بنا دیا جائے چنانچہ ۱۹۱۴ء میں دریائے سوات کے پار شمالی علاقہ میں اس جدید حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

اب دونوں بھائیوں نے جو ایک دوسرے سجادہ نشین کو برسر اقتدار دیکھا تو اپنا خاندانی وقار خطرے میں دکھائی دینے لگا۔ نتیجہ یہ کہ دونوں بھائی متحد ہو گئے۔ سابقہ دشمنی یا مخالفت کو فراموش کر دیا گیا۔ عبد الجبار شاہ نے یہ حالت دیکھی تو مقابلہ پر اتر آیا۔ کاٹلی اور ہوڈی گرام میں شدید جنگ

لڑائی گئی تو یہ دونوں بھائی اپنے آبائی مسکن سیدو کو چھوڑ کر دیبار میں جا مقیم ہوئے۔ یہاں موسیٰ خیل - برکیوٹ - کوٹہ ابوما وغیرہ کے معززین نے امداد دینے کے وعدے کرتے ہوئے ان دونوں بھائیوں کو سید عبد الجبار شاہ کے خلاف جنگ کرنے پر رضامند کر لیا۔ لٹا کئے کے قریب معمولی سی جنگ ہوئی وعدہ کرنے والے ایقانے عہد نہ کر سکے تو یہ دونوں بھائی دیبار کی طرف لوٹ گئے۔

اس دوران میں دونوں بھائیوں کو موقع ملا تو وہ بھی نواب دیر کے لشکر میں شامل ہو کر دوسرے ہی دن علاقہ شاموزے میں داخل ہو گئے۔ اور میاں گل لشکر کی قیادت کرتے ہوئے سیدو تک جا پہنچا۔ عبد الجبار شاہ بھی لشکر لے پہنچ چکا تھا۔ دونوں میں جنگ ہوئی تو عبد الجبار شاہ شکست کھا کر پچی گرام میں جا مقیم ہوا۔ ادھر نواب دیر نے علاقہ شاموزے پر قبضہ کر لیا۔ اب نواب اور میاں گل کے لشکر نے متحد ہو کر عبد الجبار شاہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور تندو ڈاک کے مقام پر مورچے لگا دیئے۔ لیکن ماہ رمضان شریف کے شروع ہو جانے کی وجہ سے عارضی صلح ہو گئی۔ اس عارضی صلح کے دوران میں سواتیوں نے کانا - غور بند - چلسیر - پورن - لیلونے وغیرہ سے لشکر جمع کرتے ہوئے میاں گل کی قیادت میں شرنک کے مقام پر علاقہ بالوزے کے لشکر کو شکست دی تو میاں گل کے طرفداروں نے ملہ میں ایسے ہی ایک دوسرے لشکر کو مار کھبگایا۔

کش مکش زوروں پر پھٹی۔ میاں گل کو یہ ظاہر نواب دیر کی حمایت حاصل تھی لیکن حقیقت کوئی امداد بروقت مل نہ رہی تھی۔ انہی حالات میں تھانہ کے مقام پر پروفیسرز کی اجتماع (جرگہ) ہوا۔ میاں گل بھی شریک تھا۔ بحث مباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ بالوزرے کے علاقہ پر تو میاں گل کی حکومت قائم ہو اور اباخیل و موسیٰ خیل کو اس کی سیادت میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور وہ دوسرے علاقوں میں مداخلت نہ کرے۔ ساتھ ہی عبدالجبار شاہ کے لشکر سے تعاون کرتے ہوئے سوات کے علاقوں سے دیر کی سیادت کو ختم کر دے۔ سیاسیات میں حالات بدلتے وقت نہیں لگتا۔ کل تک جس نواب دیر سے امداد اعانت کی توقعات وابستہ کی جا رہی تھیں اب اس کے مقابلہ کی تیاری ہونے لگی۔ چنانچہ میاں گل اور عبدالجبار شاہ نے علاقہ شموزئی میں بترنگ کے مقام پر قلعہ تعمیر کر لیا تو دیر اور سوات کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل نظر آنے لگے۔

نواب دیر نے یہ حالت دیکھی تو مقابلہ کے لئے تیاری شروع کر دی اور سوات میں اب بہ یک وقت دو حکمراں دکھائی دے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک گڈری میں تو کئی فقیر زندگی بسر کر سکتے ہیں لیکن دربادشاہ ایک مملکت میں سما نہیں سکتے۔ اندر ہی اندر کشمکش شروع ہوئی۔ میاں گل کا بیڑا بھاری رہا۔ باشندگان وطن کو یقین ہو گیا کہ سید عبدالجبار شاہ اپنی علمی قابلیت کے باوجود قبائلی جنگ میں

نواب دیر کے مقابل ٹھہرنے سکے گا۔ تو انہوں نے میاں گل کو حکومت مرتب کرنے کی دعوت دیدی۔ جسے میاں گل عبدالودود نے بہ خوشی قبول کر لیا۔ سید عبدالجبار شاہ کو ستمبر ۱۹۱۵ء میں عزت و احترام سے واپس لوٹا دیا گیا تو وہ پھر ستھانہ میں جا مقیم ہوا۔ اس طرح اس دور کا خاتمہ ہوا۔

سوات کے دور جدید کا آغاز اب حالت یہ تھی کہ ایک طرف دیر کی طاقت مخالفت پر کھڑی تھی۔ دوسری طرف انگریز قبائلی علاقہ میں کسی منظم طاقت کے قیام کا روادار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ریاست امب (نزارہ) کا حکمران بھی یہ برداشت نہ کر سکتا تھا کہ اس کے پہلو میں کوئی جدید ریاست جنم لے۔ اندرون ملک کی حالت بھی کسی طرح اطمینان بخش نہ تھی جسے خود بانٹے ریاست میاں گل یوں ظاہر کرتے ہیں۔

سوات کا علاقہ اس زمانہ میں سابق صوبہ سرحد کے اضلاع مردان و پشاور سے بالکل کٹا ہوا تھا۔ آمد و رفت کے ذرائع نہیں تھے۔ پیدل آمد و رفت تھی وہ بھی ہزاروں تکالیف اور مشکلات کے ساتھ ہوتی تھی بار برداری کے لئے خچر استعمال کئے جاتے تھے۔ نمک حبسی سستی اور عام دستیاب ہونے والی چیز جو کہ انسانی ضروریات زندگی میں اہم اور بنیادی شے ہے اس ماحول

میں کیا ب تھی۔ تحصیل نوشہرہ کے ٹک اگر خچروں پر تجارت کے لئے نمک لاتے تو یہاں کے لوگ خوشی سے نمک کو لگی اور شہد کے ساتھ برابر تولنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ منگ اس قسم کے حالات تھے اور پھر سب سے زیادہ مالوس کن امر یہ تھا کہ ان لوگوں کی وفاق داری کا کوئی بھروسہ نہ تھا۔

ان حالات میں حقیقت حکومت کا تاج ایسے کانٹوں کا تاج تھا جس کے بقا و قیام کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ لیکن بہا میں ہمہ میاں گل نے اس بارگراں کو اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ بیردنی حملوں کے خوف سے باشندے متحد ہو چکے تھے۔ میاں گل نے عقل و تدبیر سے کام لیتے ہوئے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ تا آنکہ پنکی خیل کے علاقہ میں کبل کے مقام پر ۱۹۱۵ء میں میاں گل عبدالودود کو سوات کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا اور یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور نواب دیر نے موقع کی مناسبت سے شموز نے کے اس نصف حصہ پر بھی قبضہ کر لیا جو کہ اس وقت تک اس کے قبضہ میں نہ تھا۔ میاں گل کو اب طاقت میسر آ چکی تھی۔ اس نے اس طرف اقدام کرتے ہوئے پورے شموز نے کے علاقہ پر قبضہ جما لیا۔ نواب دیر بھی خاموش بیٹھنے والا نہ تھا ۱۹۱۶ء میں اس نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ سواتی لشکر کو شکست ہوئی تو ایک دفعہ پھر شموز نے کے علاقہ پر دیر کا قبضہ ہو گیا۔

نواب دیر کا حوصلہ بلند ہوا تو اس نے ۱۹۱۷ء میں پھر اقدام کیا۔ طوطا لوبانڈی پر حملہ ہوا۔ سواتی لشکر پاکی ڈھیری میں مقیم تھا۔ یہیں

جنگ ہوئی دیر کا لشکر بھاگ نکلا۔ اس کے بعد بھی ایک دفعہ نواب دیر نے پھر اس علاقہ پر حصول اقتدار کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی ۱۹۱۸ء میں نواب دیر نے پھر حملہ کرتے ہوئے بہا کے مقام پر سواتیوں کو شکست دی تو وہ نل اور سمبٹ میں مقیم ہو گئے لیکن جلد ہی سواتیوں نے دیر کے لشکر کو مار بھاگایا۔ تو نہ صرف شہوزے کے علاقہ پر قبضہ کیا بلکہ دیر کے علاقہ ادین زے پر بھی جا قبضہ جمایا۔ یہ میاں گل کی اولین شاندار کامیابی تھی جس نے اس علاقہ پر اس کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ اس وقت تک ازی خیل اور جانکی خیل علاقے کسی کے زیر تسلط نہ تھے۔ میاں گل کی مذکورہ کامیابی کو دیکھتے ہوئے قبل اس کے کہ اس طرف کوئی اقدام کیا جاتا ان علاقوں کے باشندوں نے خود ہی اپنے علاقوں کو ریاست میں شامل کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

۱۹۲۱ء میں ایک دفعہ پھر خطرات ایک مشکل ترین دور کے بادل امنڈ گئے تو اس جدید ریاست کو مشکل ترین دور سے گزرنا پڑا۔ ملک کے اندر چند قبائل نے بغاوت کر دی دوسری طرف علاقہ بونیر میں نواب امب نے گوئند کے مقام پر حملہ کر دیا۔ کوہستان کے لشکر نے نواب دیر کے ایما سے مدین کے مقام پر اجتماع کیا۔ خود امب کا لشکر کوہ کڑا کڑ تک پہنچ گیا اور دیر کے جس علاقہ ادین زے پر سواتی قبضہ کر چکے تھے اس میں بھی بغاوت ہو گئی۔ نواب دیر کو انگریز کی حمایت حاصل تھی۔ اس طرح گویا بیک وقت سوات

پانچ اطراف سے حملہ ہو رہا تھا۔ میاں گل کے لئے سخت ترین آزمائش تھی لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ تن تنہا تک دو دو کرتے ہوئے محاذوں کی فکر میں سرگرداں رہا۔ اور اپنے عقل و تدبیر سے کام لیتے ہوئے مسلسل پانچ ماہ جنگ و جدل میں مصروف رہنے کے بعد اس نے تمام مشکلات پر قابو پایا اور تمام محاذوں پر اسے کامیابی نصیب ہوئی۔

انگریزوں کی مداخلت ظاہر کیا جا چکا ہے کہ سواتیوں نے ادین زئی کے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا نواب

دیر جب طاقت سے اس پر دوبارہ قبضہ نہ کر سکا تو اس نے انگریزوں کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ حکومت انگلشیہ سے اس کے تعلقات خوشگوار تھے۔ اس وجہ سے انگریزوں نے بادشاہ سوات سے مشورہ کئے بغیر اقرار کر لیا کہ ادین زئی کا علاقہ اسے دلا دے گا۔ اور یہ شرط لگا دی کہ اس کے بعد جب تک نواب دیر کو بادشاہ سوات کے مقابل دو تہائی اکثریت حاصل نہ ہو جائے وہ سوات پر لشکر کشی نہ کرے گا اور اپنے اغراض کے پیش نظر یہ شرط بھی عائد کر دی کہ ایسی حالت میں نواب دیر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ حملہ کرنے سے پیشتر پولیٹیکل ایجنٹ سے اجازت حاصل کرے۔

بادشاہ سوات پر جب یہ حقیقت کھلی اور پولیٹیکل ایجنٹ نے اسے مذکورہ معاہدہ یا اقرار کی اطلاع دی تو وہ بے بس نظر آنے لگا۔ اتنی طاقت نہیں تھی کہ بیک وقت دیر اور انگریزوں کی مشترکہ طاقت کا مقابلہ

کرتا۔ پھر ایسی حالت میں کہ سوات کے باشندے اپنی ضروریات زندگی کے لئے انگریزی علاقہ کے دست نگر تھے۔ اس نے خاموشی سے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور علاقہ ادین زے کو جو حقیقت ریاست دیرہ ہی کا حصہ تھا واپس کرنے کا اقرار کر لیا۔ اس طرح یہ علاقہ ۱۹۲۲ء میں نواب دیر کے سپرد کر دیا گیا۔

بونیر کا علاقہ اس وقت تک آزاد تھا۔

بونیر قبضہ

وقت ضرورت مقامی باشندے اپنے

اندرونی جھگڑوں یا بیرونی حملہ کے وقت نواب دیر یا نواب ریاست امب سے امداد طلب کر لیا کرتے تھے۔ اس دوران میں کہ علاقہ ادین زے دیر کو واپس کیا جا رہا تھا۔ علاقہ بونیر میں ریاست امب کا ایک لشکر مقیم تھا۔ بننے ریاست سوات نے گرد پیش پر نظر ڈالی تو اسے اب کوہستان اور بونیر کی طرف سے خطرہ دکھائی دے رہا تھا۔ چنانچہ اس نے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کا عزم دارادہ کر لیا۔ اور اپنے تدبیر سے ایک طرف کوہستانوں کو مختلف طور طریقوں سے یقین دلایا جاتا رہا کہ ریاست سوات اس طرف لشکر کشی کا کوئی ارادہ نہ رکھتی تھی۔ تو دوسری طرف بونیر میں ایسی فضا پیدا کی جس سے ظاہر ہونے لگا کہ بادشاہ سوات اتنی طاقت ہی نہ رکھتا تھا کہ بونیر پر حملہ کر سکے۔ ان حالات میں اس کے درپردہ طرفداروں نے بونیر کے قبائل کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ ریاست امب کے لشکر کو واپس کر دیں۔ چنانچہ یہ لشکر

واپس لوٹ گیا تو نضار کو سازگار دیکھتے ہوئے ۱۹۲۳ء میں میاں گل نے
بونیر کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اس وقت تک ریاست سوات میں شامل
اور ترقی کے راستہ پر گامزن ہے۔

اس دوران میں کہ بادشاہ سوات بونیر
بحرین وغیرہ پر قبضہ کی طرف اقدام کر رہا تھا۔ کوسہستانیوں کے
ایک وفد نے الحاق کی درخواست کی۔ اس وقت قاعدہ یہی تھا کہ جو
علاقہ یا قبیلہ الحاق کی درخواست کرتا تھا اس طرف لشکر روانہ کیا جاتا
تھا۔ چنانچہ ایک مختصر سا لشکر اس طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں بحرین
پہنچے پر اس لشکر نے بلا کسی پردگرم کے اس جگہ پر قبضہ کر لیا۔ اس سے
غلط فہمی پیدا ہوئی تو کوسہستانی مقابلہ پر اتر آئے۔ شاہی لشکر کو
شکست ہوئی لیکن جلد ہی امداد پہنچ گئی نتیجہ یہ کہ بلا کسی ارادہ کے
بحرین تک کا علاقہ ریاست میں دکھائی دینے لگا بحرین دو دریاؤں
کا مقام اتصال اور بہت خوبصورت اور دلکش مقام ہے مقبوضہ
علاقوں میں نظام مکمل کر لینے کے بعد اب دوسرے ان علاقوں کی طرف
نظر اٹھنے لگی کہ جن سے استحکام ریاست کو خطرہ محسوس ہو سکتا تھا
چنانچہ پھر جلد ہی کانا اور چکسیر جیسے اہم قبائلی علاقوں کو ریاست میں
شامل کر لیا گیا۔

قیام ریاست کے سلسلہ میں بانٹے ریاست
بہت ہی تدبیر سے کام لے رہا تھا

انگریزوں سے تعلقات

جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ نظام قائم کیا جا رہا تھا ساتھ ہی کوشش تھی کہ اردگرد کی کسی منظم طاقت سے لگاڑ بھی پیدا نہ ہو۔ انگریز اپنے پہلو میں کسی جدید ریاست کے قیام کو پسند نہ کر سکتا تھا لیکن اسے مداخلت کا کوئی موقع نہ ملا۔ اس کے ساتھ بانی ریاست کو مستقبل کی فکر بھی تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں اس نے اپنے خلیفہ رشید محمد عبدالحق جہاں زیب خاں کو اپنا ولیعهد مقرر کر دیا۔ اس وقت شہزادہ کی عمر کوئی پندرہ سال تھی اور وہ اسلامیہ کالج پشاور میں زیر تعلیم تھا۔ جب انگریز ریاست کو ہی نہ تسلیم کرتا تھا تو ولیعهد کے تسلیم کئے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ بالآخر والی سوات نے اپنی روش سے انگریز کو ریاست کے تسلیم کر لینے پر مجبور کر دیا تو ۳ مئی ۱۹۲۶ء کو حکومت انگلشیہ نے ریاست سوات کو تسلیم کر لیا۔ اور اسے صوبہ سرحد کے سرکاری دربار میں ایک نشست بھی عطا کی گئی۔

اب انگریز سے تعلقات بڑھنے لگے تو اسی سال محکمہ سرحدی کے ایک افسر سر۔ اے۔ سیٹن نے سوات اور چکسیر کے علاقوں کا سروے کیا اور جنگلات کی دیکھ بھال بھی ہوئی۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں والس رائے ہند نے مالاکنڈ ایجنسی کا دورہ کیا تو پہلی بار والی سوات کو

ریاست کو تسلیم کرنے کی رسم صوبہ سرحد کے چیف کمشنر سر ڈکین نے سوات میں بمقام سیدو بشریف ادا کی تھی۔

اس سے ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو حکومت انگلشیہ نے بانٹے ریاست کو۔ کے۔ بی۔ ای (K.B.E) کا خطاب دیا اور اس سال اپریل میں دائسہ رائے ہند نے سوات میں سید و شریف کے مقام پر ایک دربار میں اس اعزاز کی سند یا تمغہ میاں گل عبدالودود کو عطا کیا۔ اس موقع پر حکمران کے لقب کا مسئلہ درپیش ہوا تو میاں گل نے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ قوم اسے "بادشاہ" کا خطاب دے چکی تھی۔ اس وجہ سے وہ کوئی ایسا لقب پسند نہ کر سکتا تھا کہ جو اس مذکورہ خطاب کے وقار پر اثر انداز ہو سکے۔ انگریز "بادشاہ" (ہنرمعنی) کا خطاب اپنے آئین کے تحت تو دے نہ سکتا تھا۔ مشکل درپیش ہوئی لیکن جلد ہی اس کا حل تلاش کر لیا گیا اور لفظی تغیر و تبدل سے "بادشاہ" کی بجائے رولر (RULER) یعنی حکمران یا والی کا لقب تجویز ہوا چنانچہ سرکاری کاغذات اور عام بول چال میں وہ "والے سوات" لپکارا جانے لگا۔

بانٹے ریاست مستقبل کی فکر میں اپنا ولیعہد مقرر کر چکا تھا حکومت انگلشیہ سرکاری حیثیت میں اسے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کر رہی تھی اور ۱۹۲۶ء میں ریاست کو تسلیم کرنے کے باوجود دلی عہد کو تسلیم نہ کیا گیا تھا۔ لیکن بانٹے ریاست اپنی سعی و مشق میں مصروف رہا اور بالآخر کامیاب ہوا تو ۱۵ مئی ۱۹۳۳ء کو گورنر صوبہ سرحد کے نمائندہ کی حیثیت سے پولیٹیکل ایجنٹ مالکنڈ نے سید و شریف میں ایک



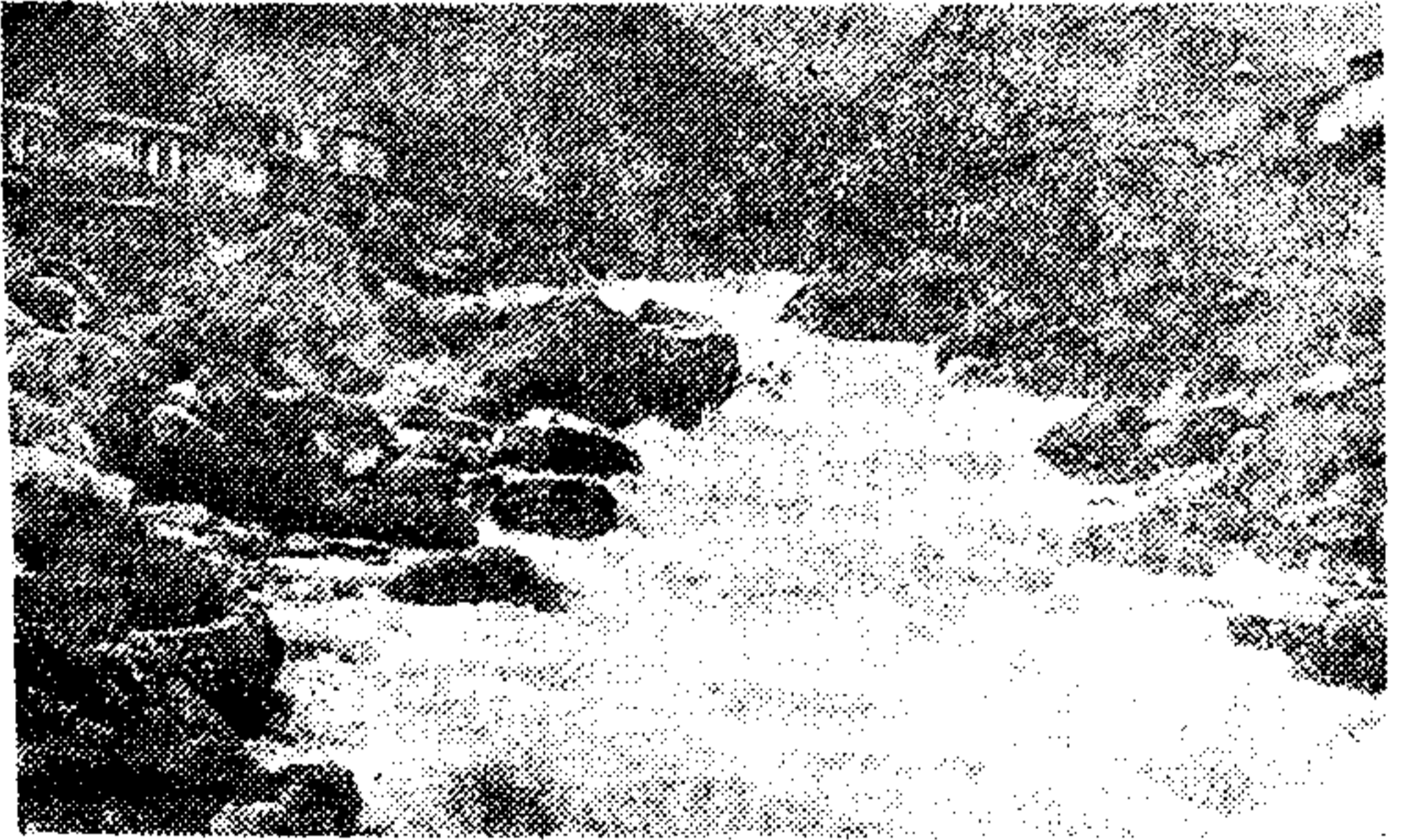
کیپٹن اورنگ زیب خان ولیعہد ریاست سوات



جلد بند طرز کا سوات ہوٹل



وادی کلام کا ایک منظر



بجران (سوات) کا ایک منظر

دوبارہ منعقد کرتے ہوئے شہزادہ محمد عبدالحق جہاں زیب خان کو ولی عہد تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔

۱۹۲۶ء میں انگریز کے اس ریاست کو تسلیم کر لینے کے بعد والے ریاست کو

علاقہ کوہستان پر قبضہ
جب یہ اطمینان ہو گیا کہ اب اس ریاست پر دیر یا امرب کی طرف سے حملہ نہ ہو سکتا تھا تو اس نے ریاست کو امن اور وسعت دینے کی کوشش کی چنانچہ کوہستان کی طرف اقدام ہوا باشندگان کوہستان مقابلہ پر اتر گئے۔ طرفین کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے باوجود سواتی لشکر درہ کڑ منگ۔ درہ بشام اور لاہور پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا اس کے بعد حسب معمول والی سوات نے کوہستان میں اپنی پارٹی پیدا کر لی۔ حمایت شروع ہوئی تا آنکہ خود اس علاقہ کے باشندوں نے الحاق کی درخواست گزار دی جس پر پٹن اور دروں یا اہم علاقوں۔ دوپیر۔ راولیا اور بن گٹ کو ریاست میں شامل کر دیا گیا۔

کوہستان کے مذکورہ اہم ترین علاقوں کو فتح کر لینے کے باوجود اس علاقہ کا مرکز پٹن آزاد تھا اور اس کے باشندے ریاست امرب کے حکمران سے ساز باز رکھتے تھے۔ والے سوات نے اس کاٹے کو بھی دور کر دینا چاہا۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ سیدوسے پٹن تک ڈیڑھ سو میل کا طویل پہاڑی راستہ تھا۔ کوئی سڑک نہ تھی۔ آمد رفت میں ہزاروں

مشکلات حاصل تھیں۔ یہ اس ہمسہ لشکر کو اقدام کا حکم ملا تو یہ خطرناک پہاڑی راستہ حیرت انگیز طریقہ پر سواتی لشکر نے صرف تین دن میں طے کرتے ہوئے پٹن پر حملہ کر دیا اور شدید جنگ کے بعد اس پر قبضہ بھی کر لیا اس کے ساتھ دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ نہایت ہی تیزی سے سٹرک بھی تعمیر کر لی گئی اور جب سوات کا لشکر وہاں نظام قائم کرنے کے بعد واپس لوٹا تو اپنی اسی جدید تعمیر شدہ سٹرک کے ذریعہ ہی بہ اطمینان واپس لوٹا تھا۔

وادی کالام سوات کے اردگرد علاقوں کی طرف سے اطمینان حاصل کر لینے کے بعد والئی سوات نے فطرتی طور پر ان مزید علاقوں کی طرف دیکھنا شروع کیا جن کی طرف سے اس کی توسیع شدہ ریاست کو کسی خطرہ کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس میں خصوصیت سے وہ علاقہ بھی شامل سمجھا جاسکتا ہے کہ جو ریاست امب کی زیر سیادت یا زیر اثر تھا۔ انگریزوں کو ان ارادوں کا علم ہوا تو اس نے والئی سوات کو ایسے اقدامات سے روک دیا۔ اس مداخلت سے یہ تسلی ہو گئی کہ اب کسی طرف سے ریاست پر حملہ نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ ملک کے اندرونی حالات کی طرف متوجہ ہوا اور اصلاحی کام شروع کر دیئے۔

۱۹۴۷ء میں وادی کالام کے باشندوں نے سوات کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے ہوئے الحاق کی درخواست کی تو یہ علاقہ بھی ریاست میں شامل کر دیا گیا۔ لیکن حکومت مرکزی پاکستان نے اسے ریاست

کے صوبہ کی حیثیت دینے کی بجائے اس پر برائے راست اپنی سیادت قائم کی اور نظام ملکی کی نگرانی کے لئے والئے ریاست کو اس کا نگران مقرر کر دیا۔ حکومت برصغیر نے پاکستان دوسرے قبائلی علاقوں کی طرح کالام کی فلاح و بہبود پر غور کرتی رہی چنانچہ دیگر اقدامات کے ساتھ اس نے فیصلہ کیا کہ کالام میں دریائے سوات پر ایک ذخیرہ آب تعمیر کیا جائے اور اس کی تعمیر کے لئے اگست ۱۹۵۹ء میں کوئی تیرہ لاکھ روپے کی منظوری بھی دیدی۔ توقع کی جاتی ہے کہ اس ذخیرہ آب سے ایک وسیع علاقہ زیر کاشت آجائے گا پھر اکتوبر ۱۹۵۹ء کے دوران پولیٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ ایجنسی نے سیدو شریف کے ایک دربار میں باشندگان کالام کے جرگہ کو خطاب کرتے ہوئے ان تمام محصولات کو آئندہ کے لئے معاف کر دینے کا حکومت پاکستان کی طرف سے اعلان کیا جو شہد۔ اخروٹ۔ پھل گھی۔ بھیر۔ بکریاں۔ وغیرہ کی برآمد پر وصول کئے جا رہے تھے اور وادی کالام کے باشندوں کو وہ تمام مراعات دیدیں جو دوسرے قبائلی علاقوں کو حاصل ہیں۔

تحریک پاکستان ہندوستانی قومی تحریکات کا اثر اس علاقہ سوات پر بہت ہی کم پڑا۔ اس کی ایک وجہ تو مقبوضہ علاقہ سے دوری تھی۔ دوسرے سال ۱۹۱۹ء (تحریک رد لٹ بل) سے ۱۹۳۱-۳۲ء تک ریاست اپنی اندرونی الجھنوں میں گرفتار تھی۔ البتہ جب تحریک مسلم لیگ (پاکستان) کا آغاز ہوا تو والئے سوات کی

دور رس نگاہ نے اس کے نتائج کا اندازہ لگالیا۔ نتیجہ یہ کہ اس تحریک سے پورا تعاون ہوا۔ نہ صرف اپنے علاقہ میں بلکہ بیرون علاقہ سوات میں بھی وہ اپنے زیر اثر افراد کو اس تحریک میں شمولیت پر آمادہ کرتا رہا۔ والئی سوات نے مالی امداد سے بھی گریز نہ کی اور اس وقت کہ صوبہ سرحد میں استصواب رائے عامہ کی تحریک چل رہی تھی۔ اس نے ایک لاکھ دس ہزار روپے مسلم لیگ فنڈ میں پھر پانچ لاکھ روپے قائد اعظم فنڈ میں اور کوئی تین لاکھ روپے دوسرے فنڈوں میں پاکستانی ریاستوں کے مرکز پاکستان سے الحاق کے سلسلہ میں ریاست سوات کو اولیت کا فخر حاصل رہا اور اعلان الحاق کے ساتھ والئی سوات نے اس وظیفہ سے بھی جو کہ انگریزوں کے وقت سے مل رہا تھا دستبرداری کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی ایک لڑاکا ہوائی جہاز بھی خرید کر حکومت پاکستان کی نذر کیا۔

محاذ کشمیر جب قیام پاکستان کے بعد جنگ کشمیر شروع ہوئی صوبہ سرحد کے قبائل نے مجاہدانہ انداز میں شمولیت کی تیار باشندگان سوات بھی ان کے پہلو پہ پہلو دکھائی دیتے رہے خود والئی سوات نے اس تحریک کی نگرانی کی۔ وہ اپنے خرچ پر مجاہدین کو محاذ کشمیر تک پہنچاتا اور واپس لاتا رہا۔ بہت سے مجاہدین شہید ہوئے اور بڑی تعداد زخمیوں کی بھی تھی اور یہ سب امداد و اعانت غیر مشروط تھی چنانچہ خود والئی سوات نے ایک موقع پر کہا:۔

پاکستان کی سلامتی ہماری سلامتی ہے۔ پاکستان کا
 استحکام ہمارا استحکام ہے..... پاکستان سب
 سے بڑی اسلامی سلطنت ہے۔ اور یہ توقع کی جاسکتی ہے
 کہ ملت اسلامیہ کی حیات ثانیہ کے سلسلہ میں پاکستان
 اہم پارٹ ادا کرے گا۔

محاذ کشمیر پر بہ یک وقت آٹھ سو منظم سواتی مجاہدین موجود ہا کرتے تھے
 ایک عرصہ دراز کی تک و دد کے بعد
 حکومت سے دستبرداری جب ایک مستقل اور پابدار ریاست
 ترقی کی طرف گامزن نظر آنے لگی تو کوئی تریسٹھ سال کی عمر میں بننے
 ریاست نے بخوشی خود حکومت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ
 کیا اور عنان سلطنت شہزادہ محمد عبدالحق جہاں زیب خان کو
 سونپ کر جسے ۱۹۲۳ء میں وہ اپنا ولی عہد مقرر کر چکا تھا) اسے
 اپنے نقش قدم پر چلانے کی کامیاب سعی کی۔ دستبرداری کی یہ تقریب
 نواب زادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم حکومت پاکستان کے ہاتھوں
 ۱۲ دسمبر ۱۹۳۵ء کو بمقام سید شریف انجام پائی۔

بانے ریاست سوات سر میاں گل عبدالودود اپنے وقت کا
 کامیاب ترین حکمران ثابت ہوا اس نے صدیوں کی غیر منظم غیر تعلیم یافتہ
 اور کسی کے سامنے تسلیم خم نہ کرنے والی قوم کو اتحاد و تنظیم کا سبق پڑھایا
 ان کی اپنی ریاست قائم کی۔ ملک کو ترقی کے راستہ پر گامزن کیا۔ زندگی

کی سہولتیں مہیا کیں۔ تعلیم و صحت کا انتظام کیا۔ اور خطہ سوات کو تاریخ کے اوراق میں ایسی جگہ دلا دی کہ دوسری کوئی ہم عصر ریاست اس کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور پھر اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ سب کامیابی اور کامرانی۔ دورانہ نشینی۔ تدبیر اور نظم و نسق اس شخص نے قائم کیا جو تعلیم جدید کا تو ذکر ہی کیا تعلیم قدیم سے بھی بہرہ ور نہ تھا اور جسے اپنے ذاتی خطوط یا کاروبار حکومت کے سلسلہ میں بھی دوسرے لکھنے والوں پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ ایسی حالت میں تعلیم کی وقعت اس کی نظر میں اور بھی بڑھ گئی۔ اسی مصروف اور جنگ و جدل سے بھر پور زندگی میں وہ خود کو تعلیم حاصل نہ کر سکا لیکن اپنے خاندان اور قوم کو اس لغت سے محروم نہ رہنے دیا۔ اپنے لڑکوں کو تعلیم دلانی اور قوم کے لئے ریاست میں مدرسوں کا جال بچھا دیا اور وہ سب کچھ کر دکھایا جو دور حاضر کا کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ حکمران کر سکتا تھا۔

تعلیم کی تشنگی کو وہ خود بھی محسوس کرتا رہا اور جب حکومت سے دستبردار ہوا تو اس نے اپنی اولین فرصت میں تعلیم کی طرف توجہ دی چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ :

میں نے تیر لسیٹھ سال کی عمر میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی تھی ریاست سوات کے قیام و ترقی میں بنائے سوات کی سمیت و استقلال اور جرات و دلیری کے ساتھ عقل و تدبیر نے کارہائے نمایاں کر دکھائے اس

نے جس طرف کار رخ کرنا چاہا پہلے اس علاقہ میں اپنے طرفدار پیدا کئے۔ ہر حمایت کے مقابل مخالفت کا پیدا ہونا یقینی و لازمی تھا۔ نتیجہ یہ کہ مخالف پارٹی پر اس کی طاقت ظاہر ہو جاتی تھی تو وہ اس خیال سے کہ حمایت کرنے والے انعام و اکرام کے مستحق سمجھے جائیں گے۔ از خود بانئے ریاست کے تدبیر کا شکار ہو کر طرفداری سے قنصل ہی اس تک پہنچنے کی کوشش کیتے رہے۔ علاوہ انہیں جس علاقہ کو اس نے ریاست میں شامل کیا۔ وہیں کے افراد کو اچھے عہدے دیئے اور اس علاقہ کے افراد کو جب کبھی مرکزی مقام سید و شریف میں آنے کا اتفاق ہوا تو ان سے بڑی محبت سے پیش آیا اور ان کی ہمالوں کی سی آد بھگت ہوئی۔ اس کا طریقہ کار اس کے اپنے الفاظ سے یوں ظاہر ہوتا ہے۔

جس علاقہ کو ہم فتح کر لیتے تھے اس کے باشندوں سے شفقتانہ برتاؤ کیا جاتا ہم ان لوگوں کے دل محبت اور پیہم مہربانیوں سے جیت لیتے تھے جب دوسرے علاقوں کے لوگ یہ حالات دیکھتے تو خود بخود حکومت میں شامل ہو جاتے تھے۔

اس نے ریاست میں عدالتیں قائم کیں۔ فورج د پولیس کا انتظام کیا ڈاک خانوں کا اجراء ہوا۔ تجارت کی طرف توجہ دی گئی اور علاقہ سے جا بلانہ رسومات کو ختم کر دیا۔



عہد جہاں زیب خان

حدود اربعہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۹ء کو عنان سلطنت سنبھالنے کے بعد
 میاں گل عید الحق جہاں زیب خان نے اپنے والد کے
 نقش قدم پر چلنے کی کامیاب سعی کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ریاست دن دوفنی رات
 چوگنی ترقی کر رہی ہے اس وقت یہ ریاست ملک کی اہم ترین ترقی یافتہ
 ریاست ہے کہ جس کا قبائلی علاقہ میں وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اس
 کے شمال میں ریاست دیر ہے تو مشرق میں علاقہ ہزارہ۔ جنوب میں ضلع
 مردان ہے تو شمال میں حکومت چترال۔ بلند و بالا پہاڑان میں
 زراعت کے لئے کھلے میدان۔ دریائے سوات کی آب پاشی سے تو یہ
 علاقہ زمانہ قدیم سے اپنی خوبصورتی کے لئے مشہور تھا ہی۔ دور جدید میں
 مزید نہروں کے ذریعہ آبپاشی کی ترقی۔ راستوں کی سہولت اور ندی
 نالوں پر پلوں کی تعمیر نے اس کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس ریاست
 آبادی و پیداوار میں کوئی ساڑھے پانچ لاکھ نفوس آباد ہیں۔ بائیں
 اندازاً اسی فیصدی زراعت پر مشدہ دکھائی دیتے ہیں۔ ملک دریائے
 سوات۔ دوسرے ندی نالوں اور نو تعمیر شدہ نہروں کے ذریعہ
 سیراب ہوتا ہے۔ چاول گندم۔ جوار۔ جو اور والوں کے علاوہ مختلف اقسام
 کے میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور سرسوں بڑی تعداد میں بونی
 جاتی ہے۔ جڑی بوٹیوں کی بھی کوئی کمی نہیں اور معدنیات کے ذخائر
 کا بھی پتہ چلتا ہے جن سے استفادہ کا اس وقت تک کوئی منظم اقدام
 نہیں ہوا۔

جانوروں میں گائے بھینس بکریاں وغیرہ بکثرت دکھائی دیتی ہیں۔
 دو دودھ کھن گھی کی افراط ہے اور بڑی مقدار میں یہ ایشیاء اور چترہ
 برآمد کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں شہد بھی اس علاقہ میں وافر مقدار
 میں دستیاب ہوتا ہے اور اسے خاص مقدار میں ملک سے باہر بھیجا جاتا ہے
 اگر اس تجارت کو بھی منظم کیا جائے تو غالب خیال ہے کہ پاکستان کو
 بیرونی ممالک سے شہد درآمد کرنے کے سلسلہ میں نجات ملی سکتی ہے
 راستے قیام ریاست سے قبل اس علاقہ میں نام کوئی سڑک دکھائی
 نہ دیتی تھی۔ اور جہاں زمانہ قدیم کی پگڈنڈیاں ہی ذریعہ
 آمد رفت کا کام دیتی تھیں۔ وہاں اس وقت چار سو میل سے زائد
 عمدہ پختہ سڑکیں موجود ہیں۔ جن پر چھوٹی گاڑیوں سے لیکر بھاری ٹرک

تک وڑتے نظر آتے ہیں۔ دریا اور ندی نالوں پر خوبصورت پل بنا دیئے گئے ہیں۔ عمدہ پختہ عمارتیں نظر آرہی ہیں۔ سیدو شریف اور مدین میں ہمالیوں اور سیاحوں کے لئے عمدہ قسم کے ہوٹل موجود ہیں اور بعض دوسرے مقامات پر ڈاک بنگلے یا ریسٹ ہاؤس بھی نظر آتے ہیں۔ حکومت پاکستان جلد ہی سوات میں ایک ہوائی مستقر بھی تعمیر کرنے کا بندوبست کر رہی ہے۔ جو عوام اور سیاحوں کے کام آئے گا۔

تعلیم کے سلسلہ میں ریاست حیرت انگیز طریقہ پر ترقی کر رہی ہے۔ جہاں زیب ڈگری کالج ریاست اور بیردن ریاست کے طلباء کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اس کی خوبصورت عمارت طلباء کے دلکش رہائش گاہیں اور کھیل کے میدان۔ معلمین کے لئے صاف سمفٹے بنگلے اپنے اندر خاص کوشش رکھتے ہیں۔ ریاست کے طول و عرض میں مدارس کا جال بچھایا جا چکا ہے۔ شاید کوئی چھوٹی سے چھوٹی آبادی ایسی ہو کہ جہاں بچے حصول تعلیم میں کوئی دقت یا مشکل محسوس کرتے ہوں۔ متعدد ہائی اسکول ہیں۔ اپر مڈل اور لوئر مڈل بھی بڑی تعداد میں بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں مصروف ہیں۔

ابتدائی پرائمری جماعتوں سے لے کر کالج سے ڈگری حاصل کرنے تک تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ جس کی مثال برصغیر پاک و ہند میں دکھائی نہیں دیتی۔ مزید برآں نادار طلباء کے لئے خاص فنڈ قائم کیا جا چکا ہے جس سے مستحق طلباء کو کتابیں لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی ہیں

اور علاوہ انہیں بڑی تعداد میں طلباء کو وظائف دے کر ریاست انہیں
فنی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے پاکستانی اداروں میں داخل کراتی ہے
اس علاقہ میں پیریا اور اس قسم دوسری بیماریاں ہر
صحت وقت موجود رہتی تھیں۔ لیکن صحت عامہ کی طرف
ریاست کی توجہ نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ریاست میں
نصف درجن سے زائد بڑے ہسپتال ہیں۔ بس کے قریب چھوٹے
دواخانے (ڈسپنسریاں) ہیں اور ان کے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کا شفاخانہ
حیوانات بھی ہے اور چند سفری شفاخانے بھی کام کر رہے ہیں۔

سلسلہ ڈاک و تار بھی بہ طریق احسن کام کر رہا ہے سیدو
ڈاک و تار شریف میں ایک اچھا ڈاک خانہ و تار گھر ہے اور ریاست
کے مختلف حصوں میں کوئی بس کے قریب چھوٹے ڈاک خانے مصروف
عمل ہیں۔ ٹیلیفون کا سلسلہ بھی موجود ہے اور ریاست میں ہر طرف
ٹیلیفون کے تار دوڑتے دکھائی دیتے ہیں جن کی اندازاً لمبائی ڈیڑھ دو
ہزار میں ہوگی اس سلسلہ ٹیلیفون کو مالا کنڈ ایجنسی ایکسچینج کے ذریعہ
پاکستان سے ملایا جا چکا ہے۔

دور حاضر کی دوسری اہم ضروریات کے ساتھ اس وقت
ریاست کی شاہراہ پر آباد تمام مقامات تک مالا کنڈ
پاور ہاؤس سے قوت برق پہنچانی جا چکی ہے اور بجلی کی روشنی ایسے
علاقوں کو میسر ہے کہ جہاں اس کے پہنچنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

بجلی

جنگلات ریاست سوات میں جنگلات بکثرت ہیں جن سے بڑی مقدار میں لکڑی برآمد کی جاتی ہے۔ یہ لکڑی دریائے سوات کے ذریعے بیردنی علاقوں کو جاتی اور حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ابتدا میں یہ کاروبار انفرادی حیثیت سے ہوتا تھا لیکن ملک میں کسی منظم حکومت کے عدم وجود سے اسے نہ کوئی خاص اہمیت حاصل ہوئی نہ اس دولت سے فائدہ اٹھایا گیا بعد میں جب ایک منظم ریاست قائم ہو گئی اور حکومت انگلشیہ نے اسے تسلیم کر لیا تو ۱۹۲۴ء میں اس کے جنگلات کی طرف توجہ منعطف ہوئی ایک ماہر جنگلات مسٹر پٹل نامی کو تحقیقات کے لئے بھیجا گیا اور پھر اس کی پیش کردہ رپورٹ کی روشنی میں جنگلات سے فائدہ اٹھانے کی اسکیم مرتب کرنے کے لئے ایک اور افسر خان صاحب الہیاری کی خدمات حاصل کی گئیں تو ابتدا سپیڈنگ ڈنگا سنگھ اینڈ کمپنی کو لکڑی برآمد کرنے کا اجازت دیدیا گیا لیکن وہ ادارہ زیادہ دیر تک کام نہ کر سکا تو پھر دوسرے ذرائع استعمال ہوئے۔

بالآخر حکومت سوات نے اس طرف توجہ دینا شروع کی تو حکمہ جنگلات کا قیام عمل میں آیا جس نے وزیر مال کی سرکردگی میں اس دولت سے مستفید ہونے کے لئے اقدامات شروع کئے۔ اس سلسلہ میں ریاست کو حکومت پاکستان کے حکمہ جنگلات کا تعاون حاصل رہا۔ اور درختوں کی کٹائی اس حکمہ کی نشان دہی پر ہونے لگی۔ کٹائی کے بعد حکومت سوات

انہیں عام نیلام کے ذریعہ فروخت کرتی ہے اور اس نیلام میں مقامی یا بیرون ریاست سے آئے ہوئے ٹھیکیدار آزادانہ بولی دے سکتے ہیں اس طرح اب یہ جنگلاتی لکڑی بڑی مقدار میں منظم طریقہ پر برآمد کی جاتی ہے۔

گھڑیلو صنعت نجی طریقہ پر کی جا رہی ہے۔ اس کی ترقی کی طرف **صنعت** اس وقت تک کوئی قابل ذکر اقدام نہیں ہوا۔ اگر اس

صنعت کو امداد باہمی کے طریقہ پر چلایا جائے تو ملک اور اہل ملک کے لئے بہت ہی مفید ہو سکتی ہے ادن اور ادن کی بنی ہوئی اشیاء جو اب محدود تعداد میں برآمد کی جاتی ہیں صنعت کے منظم ہو جانے پر پائندگی کی مالی حالت سنوارنے میں بڑی حد تک ممد و معاون ہو سکتی ہیں سوائے کے کپیل اور دوسری ایسی اشیاء کو پاکستان اور بیرون پاکستان تک میں مقبولیت حاصل ہے۔

نظام نظام ملکی کی سرانجام دہی کے لئے ریاست کو جتنیں تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر تحصیل کا حاکم تحصیلدار کہلاتا ہے پھر ان تحصیلوں کے گروپ یا صوبے بنا کر ہر گروپ پر ایک افسر مقرر ہے جو حاکم پکارا جاتا ہے۔ جس کے کام کی نگرانی دزرائے ریاست کرتے ہیں جن میں سپہ سالار افواج بھی شامل ہے اور آخری اپیل حکمران یا ڈالی کی سماعت کے لئے پیش ہوتی ہے عدالتوں میں اسٹامپ وغیرہ کا طریقہ رائج کر دیا گیا ہے لیکن حصول انصاف میں کسی شکل یا ناقابل برداشت اخراجات کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ عام طور مقدمات کی سماعت کم سے کم

وقت میں کی جاتی ہے اور وقت ضرورت مطلوبین بلا جھجک والی تک جا پہنچتے ہیں۔

پولیس اور فوج کے نوجوان بڑے چست اور چوبند
پولیس اور فوج نظر آتے ہیں قیام امن کے لئے ریاست کے طول و
 عرض میں چھوٹے چھوٹے خوبصورت قلعے تعمیر ہیں جن میں فوج یا پولیس
 کے افراد حسب ضرورت رکھے جلتے ہیں ان کے پاس جدید قسم کا اسلحہ
 ہے ازر دار السلطنت میں ٹریفک پولیس بڑی مستعدی سے اپنے فرائض
 سرانجام دیتی ہے۔ قیام ریاست سے قبل دوسرے قبائلی علاقوں کی
 طرح اس علاقہ میں بھی اسلحہ رکھنے پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی لیکن نئے
 سوات نے حالات سے مجبور ہو کر پابندی عائد کر دی اب ہر شخص کو لائسنس
 لینا پڑتا ہے اور یہ لائسنس ایک روپیہ سالانہ ٹیکس ادا کرنے پر ملتا ہے
 لظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے اس طریقہ رائج کرنے سے نئے ریاست کا مقصد
 اپنی ریاست میں اسلحہ کی تعداد کو پیش نظر رکھنا تھا پاکستان کی طرف سے
 ریاست میں لڑاکے کے مقام پر جہاں سے ریاست کی سرحد شروع ہوتی ہے
 اور جہاں محصلوں کی چوکی بھی ہے لائسنس دیکھے جاتے ہیں۔

باشندوں کی حالت ریاست سوات کے کوسہتمانی علاقہ کی بعض
 قومیں مثلاً گوجر، اجرڈ وغیرہ خانہ بدوش زندگی
 گزارتی ہیں وہ صرف موسم گرما میں، جبکہ انہیں مویشیوں کے لئے گھاس
 بکثرت ملتا ہے ان علاقوں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ زراعت پیشہ نہیں ہیں۔

صرف دو دو گھی وغیرہ بچنے پر اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ موسم سرما میں جب ان علاقوں میں برف پڑتی ہے تو گھاس کی تلاش میں یہ لوگ پاکستان کے میدانی علاقوں میں چلے جاتے ہیں۔ اگر سچ پوچھا جائے تو یہ لوگ سال کا زیادہ تر وقت پاکستان کے میدانی علاقوں میں گزارتے ہیں اور صرف تین چار ماہ کے لئے ان علاقوں میں چلے آتے ہیں۔

والے سوات والے سوات محمد عبدالحق جہاں زیب خان اسلامپہ کالج پشاور کے تعلیم یافتہ خوش خلق خندہ رو اور ہر شخص سے بڑے اخلاص سے پیش آتے ہیں۔ انہیں کاروبار حکومت سے از حد لچپی ہے شب و روز اس میں منہمک رہتے ہیں اور دن نکلنے ہی دفتر پہنچ جاتے ہیں جہاں کاروبار حکومت کو سرانجام دینے کے ساتھ عوام و خواص سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔ ملاقاتوں پر کسی قسم پابندی عائد نہیں۔ ہر شخص بلا تکلف ان سے مل سکتا ہے۔ وہ سختی سے اس امر کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کے جاری کردہ احکام کی بروقت تعمیل ہو۔ ریاست کے دفاتر جمعرات کے دن بند رہتے ہیں اس دن شاہی خاندان کے قریب قریب تمام افراد شکار کھیلنے ہیں۔ والی صاحب صوم و صلوة کے پابند ہیں اور جمعہ کے دن عام طور تمام خاندان بانئے ریاست کے ساتھ یک جا نماز جمعہ ادا کرتا ہے۔ ریاست کی سرکاری زبان پشتو ہے جس میں گفتگو کو والی پسند کرتے ہیں۔

ولیعہد وغیرہ جہاں زیب خان کے چار لڑکے ہیں اورنگ زیب خان
عالم زیب خان۔ امیر زیب خان۔ احمد زیب خان

ان میں سب سے بڑے کپٹن محمد اورنگ زیب خان کو انہوں نے اپنا
 دلی عہد مقرر کر لیا ہے۔ ولی عہد کی شادی ۱۰ اپریل ۱۹۵۵ء کو
 فیڈرل مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کی دختر نیک اختر سے اس
 وقت ہوئی تھی جب آپ افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف تھے۔

دعا ہے کہ رب العزت اس اسلامی ریاست کو مفاد ملت اسلامیہ
 کے لئے دن و دنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

۶



YUSUFZAI

یوسف زئی

یعنی

ضلع مردان، پیاست سوات، پیر علاقہ، بونیر، باہو، وغیرہ کے
اولین تاریخ
جو اس قبیلہ کے موجودہ علاقہ میں

۱۵ سال

قبل آنے کے بعد پہلے مرتبہ لکھا گیا ہے۔

«۰»

فہرست مضامین مفت طلب کریں۔

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی (تین مٹی)، کراچی ۷